مسئلہ فدک

مصنفہ

فاضل اجل مولانا سید وجیہ الحسن صاحب باروی

مطبوعہ سرفراز پریس و لکھنؤ ناشر لکھنؤ

آپ مذہب کی حمایت کیونکر کر سکتے ہیں؟

۱- امامیہ مشن کی ممبری قبول فرما کر؟ (قواعد طلب فرمائیے)

۲- امامیہ مشن کے استقلال فنڈ کے ٹکٹ خرید فرما کر۔

۳- امامیہ مشن کے تبلیغی رسائل خرید فرما کر۔

جس سے آپ کی مذہبی معلومات میں اضافہ بھی ہوگا۔ اور مشن کی امداد بھی ہو جائے گی۔

۴- امامیہ مشن کے رسائل ہم سے رعایتی قیمت پر خرید فرما کر غیر مذاہب میں مفت تقسیم کر کے۔ (جیسا کہ بعض ہمدردان مذہب عامل ہیں)۔

امامیہ مشن ۳۹ تبلیغی رسائل چار سال کے اندر شائع کر چکا ہے اور تین رسائل اس وقت زیر طبع ہیں جن کی کل تعداد ۶۷ ہزار سے اوپر ہوتی ہے۔

امامیہ مشن ہر سال عشرہ محرم میں اردو، ہندی، انگریزی رسائل غیر مذاہب میں مفت تقسیم کرتا ہے۔

امامیہ مشن نے لکھنؤ کی اچھوت کانفرنس میں دو زبانوں میں رسائل مفت تقسیم کئے ہیں۔

(خادم مذہب)

آنریری سکریٹری۔ امامیہ مشن۔ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ

سال گذشتہ نجف اشرف سے ایک عربی رسالہ شائع ہوا ہے جس میں "حقیقت فدک" پر واضح تبصرہ کیا گیا ہے یہ رسالہ حجۃ الاسلام آقا سید حسن قزوینی حائری دام ظلہ کی تصنیف ہے

اسی رسالہ کو پیش نظر رکھکر اس کتاب کو تحریر کیا ہے۔

حوالوں کو خود تلاش کیا ہے اور اصل کتابوں سے مطابق کر کے درج کیا ہے۔ ترتیب میں عربی اور اردو کے مذاق کے اختلاف کی بناء پر فرق کر دیا ہے اور بعض بعض مقاموں میں زیادتی کمی بھی کی ہے اسلئے بتایا ہے اب میری کتاب کو اس رسالہ کا ترجمہ سمجھا جائے یا مستقل کتاب۔

والسلام

محمد حسن - پاروی

کیا جائیگا جو کتب صحاح اور مسلم تاریخوں میں مذکور ہیں

فدکؑ کی نوعیت

معتبر کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ " فدک " ایک گاؤں تھا۔ جو جہاد اور کسی طرح کی جنگ کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا گیا بلکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اُس کو تنہا حاصل کیا تھا اور یہ صرف انہیں کا حق تھا۔ بیشک اگر کسی ایسی جنگ کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہوتا جس میں مسلمانوں کی فتح ہوتی تو عام اموال غنیمت میں اسکو داخل کیا جا سکتا تھا اسی لئے علمائے اسلام میں سے کسی نے اس بارے میں اختلاف نہیں کیا کہ یہ مخصوص آنحضرتؐ کا حق تھا۔

چنانچہ شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ حموی۔ رومی نے معجم البلدان میں تحریر فرمایا ہے۔

فدك بالتحريك وآخره	فدک حجاز میں ایک گاؤں ہے
كان قرية بالحجاز بينها و	جہاں سے مدینہ تک دو روز کی راہ
بين المدينة يومان و قيل	بعضوں نے کہا ہے تین روز کی راہ ہے
ثلثة افاءها الله على رسوله	اس کو جناب باری عزّ اسمہٗ نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و آلہ الطاہرین

ضرورت تھی مختصر طریقہ پر ایک ایسی چیز لکھنے کی جس میں مسئلہ **فدک**" پر تاریخ و سیر و احادیث کی روشنی میں تبصرہ کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس جائداد کو کیونکر حاصل کیا اور کس کے قبضہ میں دی اور حضرت کی وفات کے بعد اس میں کیا انقلابات و اختلافات پیش آئے اور کیا نزاع واقع ہوئی۔

اس سلسلہ میں اُن روایات و واقعات کو نظر انداز کیا جائے گا جن میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے ان مصائب و آلام کو بیان کیا گیا ہے۔ جو بعد رسولؐ پیش آئے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد کسی کے قلب کو تکلیف نہ ہو نیز اس میں انہی معتبر روایات کی طرف اشارہ

یہ فتح ایسی ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں، اور صرف آنحضرتؐ کے لئے ہی یہ جائداد مخصوص ہو گی

ابن ابی الحدید نے ابوبکر جوہری کی روایت زہری سے نقل کی ہے۔

قال وبقیت بقیۃ من اهل خیبر تحصنوا فسألوا رسول اللہ ان یحقن دماءهم ویسیرهم ففعل فسمع ذلک اهل فدک فنزلوا علی مثل ذلک وکانت للنبیؐ خاصۃ لانہ لم یوجف علیها بخیل ولا رکاب قال ابوبکر وروی محمد بن اسحق ایضا ان رسول اللہؐ لما فرغ من خیبر قذف اللہ الرعب فی قلوب اهل فدک فبعثوا الی رسول اللہ صلعم فصالحوہ علی النصف من فدک فقدمت

کچھ لوگ اہل خیبر میں سے باقی رہ گئے تھے جو قلعہ میں بند تھے انھوں نے آنحضرتؐ سے پناہ مانگی اور اپنی حفاظت کے خواستگار ہوئے اور کہ انھیں نکل جانے دیا جائے لیکن قتل نہ کیا جائے حضرت نے انکو منظور فرمایا۔ جب اہل فدک نے اس بات کو سنا تو ان لوگوں نے بھی حضرت سے یہی درخواست کی۔ یہ فدک جناب رسالتمآب کا مخصوص حق تھا اس لئے کہ اس پر فوج کشی نہیں کی گئی تھی۔

ابوبکر کا بیان ہے کہ محمد ابن اسحاق نے

في سنة سبع صلحاً وذلك ان النبيؐ لما نزل خيبر وفتح حصونها ولم يبق الا ثلث واشتد بهم الحصار راسلوا رسول اللهؐ يسألونه ان ينزلهم على الجلاء وفعل وبلغ ذلك اهل فدك فارسلوا الى رسول اللهؐ ان يصالحهم على النصف من ثمارهم واموالهم فاجابهم الى ذلك فهو مما لم يوجف عليه بخيل ولا ركاب فكانت خالصة لرسول الله جلد ۴ ص ۲۲

(باب الفاء والدال)

سنہ ۷ میں صلح کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کو عطا فرمایا اس کا واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے جب خیبر میں پڑاؤ ڈالا اور خیبر کے قلعوں کو گھیر لیا اور سخت محاصرہ کیا تو اہل خیبر نے آنحضرت کو لکھا کہ آپ ہمکو اجازت دیجئے کہ ہم بستی چھوڑ کر کہیں جلاوطن ہو جائیں حضرت نے ایسا ہی کیا اور ہمکو منظور کر لیا یہ خبر جب اہل فدک تک پہونچی تو اُن لوگوں نے پیغام بھیجا کہ ہم سے اس بات پر مصالحت کر لیجئے کہ ہمارے اموال اور درختوں کے پھل نصف آپکو پہونچا دیے جایا کریں۔ حضرت نے اس کو قبول فرمایا۔ لہذا معلوم ہوا کہ فدک وہ مقام ہے جہاں فوج کشی نہیں کی گئی۔ اس لئے

قرآن میں رسالت مآبؐ کے ساتھ فدک کے مخصوص ہونے کا حکم

قرآن مجید میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

(۱) ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اهل القریٰ فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ

جو کچھ خدا اپنے رسول کو دلوائے دیہات اور قریوں کے باشندوں سے وہ خدا کا اور رسول کا اور صاحبان قرابت کا

(۲) فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسولہ علیٰ من یشاء واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

وہ زمینیں ایسی ہیں جن پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ دوسری سواریاں بلکہ خدا اپنے پیغمبر کو تسلط عطا کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اور خدا ہر شئے پر قادر ہے۔

"فیئی" مشتق ہے "فاء یفیئی" سے جس کے معنی رجوع کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

عليه وسلم خيبر او بالطائف او بعد ما قام بالمدينة فقبل ذلك منهم وكانت فدك لرسول الله خالصة لانه مما لم يوجف عليها بخيل ولا ركاب۔

جز ۵ صفحہ ۲۶۱

مطبوعہ طہران ۱۳۷۴

بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت جب خیبر کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو خدا نے اہل فدک کے دلوں میں آنحضرت کا رعب ڈال دیا ان لوگوں نے آپکی خدمت میں پیام صلح بھیجا اور نصف مال فدک پر صلح پا لی۔ فدک والوں کے نمائندے بنا بر اختلاف روایات یا خیبر میں آنحضرت کے پاس آئے تھے یا راستہ میں بہرحال یہ صحیح ہے کہ قیام مدینہ کے پہلے حضرت نے اُن کی درخواست کو منظور کیا اور یہ جائداد مخصوص حضرت کی تھی۔ اس لئے کہ اس پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔

ان روایات میں "لم یوجف علیہا" کا فقرہ اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ فدک جنگ کے ذریعہ سے نہیں حاصل ہوا اور اس پر لشکر کشی نہیں کی گئی اور چونکہ اسکے حاصل کرنے میں مسلمانوں کا ہاتھ شریک نہ تھا تو وہ جائداد آنحضرت کا خصوصی حق قرار پاتی ہے

قصہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

قالت سہمنا بخیبر و	فاطمہ نے کہا کہ اچھا میرا
فدک فقال یا بنت رسول اللہ	خیبر و فدک میں جو حصہ ہوتا ہے
سمعت رسول اللہ انما یقول انما	وہ کیا ہوا۔ تو انھوں نے کہا
ھی طعمۃ اطعمنیہا اللہ حیاتی	کہ اے دختر رسول میں نے رسول اللہ کو
فاذا مت فھی بین المسلمین۔	فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ گذارہ تھا
معجم البلدان	جو خدا نے مجھے حیات تک کیلئے
ص ۳۴۴	دیا تھا جب مر جاؤنگا تو وہ مسلمانوں
	کا ہوگا۔

لیکن اس روایت میں یہ چیز قابل غور ہے کہ اگر درحقیقت یہ جائداد آنحضرت کو بطور گذارہ کے دی گئی تھی تو آنحضرت کے لیئے اس میں سے بقدر ضرورت وحاجت تصرف جائز ہو سکتا تھا اور اس سے زیادہ پر تصرف کرنے کا حضرت کو کوئی اختیار نہ تھا اور نہ آنحضرت کے ایسے دیانتدار و امین کے لئے کسی طرح شایان شان ہو سکتا ہے۔

لیکن واقعہ اسکے خلاف ہے جناب رسالتمآب نے وہ اموال بنی نضیر جو بغیر لشکرکشی وغیرہ کے حاصل ہوئے تھے اور

لہذا " ما افاء اللہ علی رسولہ " کے معنی ہوئے "حصل لہ ورجع علیہ" یعنی حضرت کو یہ جائداد حاصل ہوئی اور آپکی طرف عائد کی گئی بغیر جدال وقتال کے اور بغیر لشکرکشی اور چڑھائی کئے ہوئے اور جو جائیداد اس طرح حاصل ہوگی وہ آنحضرت کے لئے مخصوص ہوگی اور اُس کو آپ اپنے ضروریات زندگی میں صرف کرینگے۔

جب اتنا مسلم ہوا تو اب آپ کی وفات کے بعد آپ کے اقارب اُس جائداد کے حقدار قرار پائیں گے جس کی تصریح پہلی آیت میں موجود ہے اور اُن کو تصرف کا پورا حق ہوگا۔ لہذا اس جائداد کی آمدنی بیت المال مسلمین میں کسی طرح داخل نہیں کیا سکتی

فدک جناب رسالتمآبؐ کیلئے گذارہ نہ تھا

کچھ روایتیں اس طرح کی بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہ علیہا السلام نے جب حضرت خلیفہ اول کے سامنے فدک کے متعلق اپنے استحقاق کا دعوی کیا تو کہا گیا کہ یہ جائداد آنحضرت کو خداوند عالم نے بطور گذارہ کے دی تھی۔ اب جبکہ انھوں نے وفات پائی تو یہ مسلمانوں کا مال ہے۔

چنانچہ معجم البلدان میں فتوح البلدان بلاذری کے فدک کے

اياه فقال ما افاء الله على	خاص طور سے عطا فرمائے تھے
رسوله منهم الآية اعطى	اسی کے بارے میں ما افاء اللہ
اكثرها المهاجرين وبقى	والی آیت میں حکم آیا ہے۔ اس آیت
منها صدقة رسول الله التي	سے آنحضرت نے زیادہ تر مہاجرین
في ايدي فاطمة۔	کو عطا فرمایا اور جو باقی رہ گیا
وفاء الوفاء	وہ آنحضرت کا تھا جو جناب فاطمہ
جلد ۲ ص ۱۵۹	زہرا کے قبضے میں رہا۔

جناب رسالتمآب سے فدک کے مخصوص ہونے پر حضرت عمر کی شہادت

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی دوسری معتبر کتب سے ہمارے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ فدک جناب رسالتمآب سے مخصوص تھا۔

چنانچہ صواعق محرقہ ابن حجر اور شیخ سمہودی کی تاریخ "وفاء الوفا" باخبار دار المصطفیٰ اور دیگر صحاح و سنن وغیرہ سب میں۔ مالک ابن اوس ابن حدثان نضری کی روایت فدک کے

اس لئے نوعیت میں فدک کیساتھ متحد تھے ۔ ان میں سے کچھ مہاجرین کو عطا فرمایا اور بقیہ کو وقف قرار دیا ۔

⁂

مذکورہ بالا امر کی تائید میں مورخ سمہودی نے اپنی تاریخ وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰے میں لکھا ہے کہ

قال الواقدی وقف النبی صلعم الاعواف وبرقہ و میثب والدلال وحسنی والصافیۃ ومشربۃ ام ابراہیم سنۃ سبع من الہجرۃ قال وقال الواقدی عن الضحاک بن عثمان عن الزہری قال ہذہ الحوائط السبعۃ من اموال بنی النضیر (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۵۳) فکانت نخل بنی النضیر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ اعطاہا اللہ

"واقدی نے کہا ہے کہ جناب رسالتمآب نے ساتوں باغ وقف فرمائے تھے کہ ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے کہ اموال بنی نضیر میں سے تھا انہوں نے ایک حدیث بنی نضیر کے متعلق اصحاب رسول میں سے ایک شخص کی روایت سے تحریر کی ہے جس میں یہ عبارت موجود ہے بنی نضیر کے خرمے کے درخت مخصوص جناب رسالتمآب کی ملکیت تھے جو خدا نے انہیں

النبی فقال ابوبکر انا ولی رسول الله فقبضه وعمل فیها بما عمل به رسول الله ۔

صواعق محرقہ مطبوعہ مصر طبع اول ص ۲۳ وفاء الوفا جلد ۲

تمہیں عطا فرما دیا تقسیم کے بعد جو بچ گیا وہ یہی ہے جس سے وہ اپنے عیال کا خرچ چلاتے تھے۔ سالانہ خرچ سے جو بچ رہتا تھا اسے لے گئے مال خدا قرار دیتے تھے یہ سب تو وہ اپنی زندگی میں کرتے رہے جب ان کا انتقال ہوا تو ابوبکر نے کہا کہ میں حاکم ہوں اور یہ کہکر فدک پر قبضہ کر لیا انھوں نے وہی کیا جو رسول کرتے تھے۔

اس روایت میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ فدک جناب رسالتمآب کی املاک تھی بنا بریں آپ کی وفات کے بعد آپ کے ورثہ ہی اسکے حقدار قرار پا سکتے تھے اس لئے کہ شریعت محمدیہ کا مسلمہ اور ضروری الحصول ہے کہ میت کا متروکہ اسکے وارثوں ہی کا حق ہوتا ہے اور یہ انہی تک پہونچنا چاہئے۔ اس املاک میں مسلمانوں کے حقدار ہونے کے لئے ایسے ہی دلائل قطعیہ کی ضرورت ہے جو نایاب ہیں۔

معاملہ میں موجود ہے۔

عربی	اردو
ان عمر قال انی محدثکم	حضرت عمر نے کہا کہ میں اس قصہ کو
عن هذا الامر ان الله کان	بیان کرتا ہوں۔ خدا نے اس فیئ
خص رسوله فی هذا الفیئ بشیئ	فدک کو رسالتمآب سے مخصوص قرار دیا
لم یعطه احدا غیره	تھا انہیں کسی دوسرے شخص کو کچھ
فقال ما افاء الله علی رسوله	نہیں دیا۔ ارشاد ہوا
منهم فما اوجفتم علیه من	اپنے رسول کو عطا فرمایا اہل قریٰ
خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط	کی طرف سے وہ خدا کا ہے۔ اور
رسله علی من یشاء والله علی کل	رسول کا اور صاحبان قرابت کا
شیئ قدیر فکانت هذه خالصة	اور یہ کہ وہ زمینیں ایسی ہیں جنپر
لرسول الله فما اختارها دونکم	تم لوگوں نے لشکر کشی نہیں کی تھا۔
ولا استاثر بها علیکم لقد اعطاکموها	خدا اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے
وبثها فیکم حتی بقی منها هذا المال	غلبہ عطا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے
وکان ینفق منه علی اهله	لہٰذا فدک خالص رسول کا ہے اسکو
سنتهم ثم یاخذ ما بقی فیجعله	تم سے رسول اللہ نے عزیز نہیں کیا
مجعل مال الله عز وجل	اور نہ اُسکے منافع کو اپنی ذات سے
فعمل ذلک فی حیاته ثم توفی	مخصوص رکھا بلکہ انھوں نے اسکو

به الا اذا عملت به فانی — جو حضرت اپنی زندگی میں کیا
اخشی ان ترکت شیئاً من — کرتے تھے اور کوئی چیز ترک
امره ان ازیغ قوله ان ازیغ — نہیں کروں گا اس لئے اگر میں
ای اعدل عما فعله رسول — کوئی بات کروں تو مجھے اندیشہ
اللہ فی ذلک من صرف — رہیگا کہ کہیں میں حکم رسول سے
حاصلاتها فی حوائجه — انحراف تو نہیں کر رہا ہوں
الشخصیة والمصالح الموضعیة
الراجعة الی المسلمین

(وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۱۵۷) (ابن ابی الحدید جزو ۱۶ صفحہ ۲۹۶)

انحراف کرنے کے معنی آپ کے نزدیک یہ تھے کہ جس طرح رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدک کی آمدنی کو اپنے ذاتی ضروریات اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح کیلئے صرف کیا کرتے تھے۔ اسیطرح آپ بھی صرف کریں۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ اگر فدک گذارہ کے طور پر رسول اللہ کو دیا گیا ہوتا اور اُن کی زندگی کے بعد مسلمانوں کا مال قرار پاتا تو ضروری تھا کہ حضرت ابوبکر اس انکار کے دلائل میں یا اس کا بھی تذکرہ کرتے یا اسی ایک بات کو مستقل سبب نہ دینے کا

فدک پر تصرّف میں حضرت ابوبکر کا اجتہاد

جہاں تک دیکھا جاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک پر صرف اپنی ذاتی رائے سے تصرّف کیا تھا۔ کہ وہ حضرت رسالتمآب کے بحیثیت خلیفہ ہونے کے ولی شرعی ہیں اس لئے انکو بھی وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے جو آنحضرت کرتے تھے۔ تاکہ فعل رسولؐ و خلیفہ رسولؐ میں کوئی اختلاف نہ واقع ہو اس کے ثبوت میں وہ روایت نقل کی جاتی ہے جس کو علامہ سمہودی اور ابن ابی الحدید معتزلی نے ابوبکر جوہری سے نقل کیا ہے۔ الفاظ تاریخ سمہودی کے ہیں۔

کانت فاطمة تسأل	جناب فاطمہ زہراؑ خیبر فدک
ابابکر نصیبها مما ترک	اور صدقات مدینہ وغیرہ جو ترکہ
رسول للهؐ من خیبر و فدک	رسالتمآب سے اُن کو پہونچے تھے حضرت
وصدقته بالمدینة فابی	ابوبکر سے مانگتی تھیں حضرت ابوبکر
ابوبکر علیها ذٰلك وقال	نے اسکے دینے سے انکار کیا اور
لست تارکا شیئا	کہا کہ میں اُن تمام اُمور کو سرانجام
کان رسول اللهؐ یعمل	دونگا اور اپنے تصرّف میں رکھونگا

علی ابن ابیطالبؑ میں فدک اور میراث رسولؐ اللہ کے متعلق
خلاف ہوگیا تھا۔ حضرت عباسؓ کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی
ملک ہے۔ لہٰذا میں وارث ہوں اور حضرت علیؑ ان کی وراثت سے
انکار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جناب رسالتمآب نے اپنی
زندگی ہی میں اس کو جناب فاطمہ کو دیدیا تھا۔

علامہ سمہودی نے تاریخ مدینہ اور یاقوت حموی نے
معجم جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ میں فدک کے حالات لکھتے ہوئے اس امر کا
تذکرہ کیا ہے کہ اسکے بارے میں ایک نزاع واقع ہوئی تھی جناب
فاطمہ زہرا کہتی تھیں کہ جناب رسالتمآب نے یہ جائداد مجھے ہبہ
کردی ہے اس پر حضرت ابوبکر نے اُن سے گواہ طلب کئے
تو انھوں نے حضرت علیؑ کو گواہی میں دیا اس کے بعد انھوں نے
ایک اور گواہ کا مطالبہ کیا تو جناب فاطمہ نے ام ایمن کو گواہی میں
پیش کیا ام ایمن نے اس کے ہبہ ہونے کی گواہی دی۔ اسکے
بعد حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے دختر رسولؐ ایک مرد اور دو
عورتوں کی شہادت ہونا ضروری ہے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ فدک
ان لوگوں کو واپس نہ مل سکا۔

اسکے بعد جب حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا۔ اور آپ کو فتوحات سے

قرار دیتے اور اپنے تصرف کے جواز میں "گذارہ" ہونے کو ضرور پیش کرتے۔"

"میں ایسی کوئی چیز چھوڑوں گا نہیں جس کو رسول اللہ کیا کرتے تھے" اس جملہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی خداداد قوت اجتہادی اور درایتی موشگافی صرف کر کے فدک دینے سے انکار فرمایا ہے نہ کسی روایت کے ذریعہ سے۔ لہذا گذارہ کی روایت پیش کرنیکا کوئی محل باقی نہیں رہتا۔

روایت و درایت میں تصادم

اگر حضرت ابوبکر کی گذارہ والی روایت صحیح ہوتی تو کبھی حضرت عمر اپنے زمانہ خلافت میں فدک حضرت علیؑ اور عباسؓ عم رسول اللہ کے سپرد نہ کرتے اس لئے کہ وہ تو مسلمانوں کا مال تھا انھیں کسی کو دیدینے کا کیا حق تھا اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علیؑ چونکہ مسلمانوں میں سے ایک تھے اس لئے حضرت عمر نے دیدیا تو یہ بھی واقعہ کے خلاف ہے۔ حضرت علیؑ نے اس عنوان پر لیا ہی نہیں تھا بلکہ اس پر آپ نے بحیثیت میراث رسول قبضہ کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عباسؓ اور حضرت امیرالمومنینؑ

کر دینے کی ذمہ داری حضرت عمر پر عائد ہوگی۔

حضرت عمر کے طرز عمل کو صحیح قرار دینے کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ انھوں نے شروع میں فدک پر قبضہ صرف حضرت ابوبکر کی متابعت یا واقعی اپنی ذاتی رائے کے جو اتفاقاً حضرت عمر کی رائے سے موافق تھی کر لیا تھا لیکن بعد میں اُن کی رائے میں تبدیلی ہو گئی اور انہیں احساس ہوا کہ پہلا طرز عمل غلط تھا اس لئے انھوں نے فدک کو ورثہ رسولؐ کی طرف واپس کرنا مناسب سمجھا

حضرت ابوبکر کا عذر اور انکار

نصوص صریحیہ وکتب صحاح وسنن وسیر وتاریخ سے جب ہم یہ بتا چکے کہ فدک خالص اور مخصوص رسول اللہ کی ملک تھی تو اب حضرت ابوبکر کے انکار کے کوئی معنی نہیں قرار پاتے اور نہ یہ عذر معقول سمجھا جا سکتا ہے کہ فدک حضرت رسول اللہ کی ملک نہ تھا بلکہ یہ مسلمانوں کا مال تھا۔ اور اسی لئے جناب رسالتمآب اسکو راہ خدا میں صرف کیا کرتے تھے۔

اس دعویٰ پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اول جناب سیدہؑ سے مطالبہ شہادت کے بجائے خود حضرت عمر کو اس

مستغنی کر دیا تو آپ نے حضرت علیؑ کو حوالہ کر دیا۔ مگر حضرت علیؑ یہ کہتے تھے کہ یہ جائداد آنحضرت صلعم نے جناب فاطمہ کو ہبہ کی ہے اور حضرت عباسؓ عم رسول کہتے تھے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ میں اس کا وارث ہوں یہ دونوں حضرات حضرت عمر کے پاس آئے کہ آپ فیصلہ کیجیے مگر انھوں نے فیصلہ کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ لوگ اپنا معاملہ خود ہی طے کر سکتے ہیں۔ میں نے تو آپ لوگوں کو دیدیا۔ اب مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

(تاریخ مدینہ معروف بہ وفاء الوفا باخبار المصطفےٰ جلد دوم ص۔)

قابل غور ہے یہ امر کہ حضرت عمر نے فیصلہ کرنے سے کیوں انکار کیا حالانکہ دونوں میراث کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اور فدک کے بارے میں اسی میراث ہی کے متعلق نزاع تھی۔ لہذا اگر یہ تمام مسلمانوں کا مال ہوتا تو حضرت عمر کو اس سے ہاتھ اٹھا لینا جائز ہی نہ تھا۔ جبکہ مسلمانوں کی حق تلفی اور ان دونوں میں اختلاف واقع ہو رہا تھا پس اس صورت میں کیونکر جائز تھا کہ اُس شخص کو یہ جائداد دیدی جائے جو اُس میں دوسرے مسلمانوں کا کوئی حق ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اگر عام مسلمانوں کا حق ہوتے ہوئے حضرت عمر نے یہ اجتہاد کیا تو یہ ایک ناقابل تلافی غلطی قرار پائے گی اور مسلمانوں کے اموال کو تلف

صرف کرنے کا حق رکھتے ہیں نہ حاکم وقت خواہ وہ خلیفہ رسول ہو.. یا کوئی اور حاکم شرع ۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ آدمی اپنے مال میں جتنے اور جو کچھ تصرفات چاہتا ہے کرتا ہے اُس کے مرنے کے بعد حاکم اور ولی کو اُس سے زیادہ تصرف کا کوئی حق نہیں ہے جتنی اُس نے وصیت کی ہے ۔

اسی اصول پر آنحضرت کے واقعہ کو دیکھنا چاہیے کہ انھوں نے کوئی وصیت اپنے مال کے متعلق فرمائی تھی یا نہیں ۔ جہانتک تاریخ کا تعلق ہے سرور کائنات نے کوئی وصیت نہیں فرمائی ۔ اگر آپنے کوئی وصیت کی ہوتی تو کسیطرح کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہوتا حالانکہ ایسے شدید اختلافات پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام میں فسادات کا ایک عظیم الشان طوفان برپا کردیا ۔

علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب "ملل و نحل" میں ان اختلافات کا تذکرہ کرتے ہوئے جو وفات رسول اللہ کے بعد پیدا ہوئے فدک کے اختلاف کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے ۔

الخلاف السادس فی امر فدک والتوارث عن النبیؑ	چھٹا اختلاف فدک کے متعلق پیدا ہوا اور اس بارے میں کہ آنحضرت کا

امر پر دلیل لانا اور شہادت پیش کرنا لازم ہے کہ یہ تمام مسلمانوں کا حق تھا۔ یہ عذر بھی اُنکا کسی طرح صحیح نہیں قرار پاسکتا کہ میں ولی رسُول ہوں اسلئے کہ جس مال کا متصرف شرعی کوئی شخص قرار پاجائے تو اسکی اجازت کے بغیر تخت نشین سلطنت کو کسی تصرف کا حق حاصل نہیں ہے۔

فدک کے بارے میں خلیفہ رسُول کا فرض

رسُول کے بعد جو حاکم ہو اُسکے لئے کیسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ فدک کے متعلق اپنے خیال اور منشاء کے بموجب عمل کرے بلکہ جو رسُول کے وارث شرعی اور قرابتدار ہیں اُن کو اُس پر تصرف کا حق ہے اور حاکم وقت کو اُسے اُنھیں کے حوالہ کر دینا چاہیے درحقیقت وہی لوگ اُسکے مالک اور قابض شریعت کی جانب سے قرار دئے گئے ہیں، قرآن مجید میں اس کے متعلق نص صریح موجود ہے کہ

"ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله و للرسول و لذی القربی"

"جو کچھ دیہات والوں سے رسُول خدا کو ملے، وہ خدا اور (اُسکے) رسُول اور (اُسکے) صاحبان قرابت ہی کا حصہ ہے"

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہی لوگ اپنے منشاء کے موافق

کثرت اختلاف کے ہوتے ہوئے جب کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس میں
اپنی خواہش اور اخفار حقیقت سے بھی کام لیا گیا ہو تو وہ حدیث
کیونکر صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے اور یہ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ
حضرت رسالتمآبؐ کا ترکہ جسقدر ہے وہ صدقہ ہے جو اور مسلمین
میں صرف کیا جا سکے گا۔ درصورتیکہ اس کے مقابل ہیں یہ یقین
موجود ہے کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اُس کے وارثوں ہی
کا حق ہوتا ہے۔

جناب رسالتمآب نے فدک کے متعلق جو کچھ کیا اُس کو
لوگوں نے دیکھا کہ حضرت اپنی آمدنی کو صاحبان قرابت یعنی اپنی
اولاد پر صرف کرتے تھے۔ لیکن جو کچھ بچ رہتا تھا اُس کو جہاد میں
صرف کرتے تھے۔ یہ تاریخ ثبوت ہے۔ بالفرض ایسا کرتے
بھی تھے تو اُن کے بعد اُس میں مسلمانوں کا کوئی استحقاق ثابت
نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے تصرفِ شخصی کی بنا پر جہاد میں
صرف فرماتے ہوں لہذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فدک کی آمدنی
اور اس جائداد کو انکے بعد بھی اسیطرح اپنی رائے سے صرف کیا جائے اس لئے کہ ایسا
امر پر شہادتیں کثرت سے موجود ہیں کہ فدک آں حضرت کی ذاتی
جائداد تھی اور اُن کے بعد اُن کے وارث جو لوگ تھے انہیں کا

ودعوی فاطمهٔ وراثة تارة وعليها اخرى -

وارث کون ہے جناب فاطمہ نے کبھی وراثت کی بناء پر فدک کا دعوی کیا اور دوسری مرتبہ ہبہ کی بناء پر

ملل ونحل شہرستانی برحاشیہ ملل ونحل ابن حزم جلد ا صفحہ ۲۵ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ

معجم البلدان میں بھی اس اختلاف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے -

وفی فدک اختلاف كثير في امره بعد النبي صلعم وابي بكر وآل رسول الله ومن رواة خبرها من رواه بحسب الاهواء وشدة المراء

جلد ۶ صفحہ ۳۴۳

بعد رسول فدک کے تصرف کے بارے میں بہت اختلاف حضرت ابوبکر و اولاد رسول کے درمیان ہوا اور روایات بیان کرنیوالوں نے اپنی ذاتی خواہشوں و رجانداری کے جذبوں کی بناء پر بھی روایات بیان کردی ہیں -

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ حضرت ابوبکر کی طرف جو روایت منسوب کی جاتی ہے کہ انھوں نے فدک کے بارے میں یہ عذر کیا کہ حضرت رسالتمآب نے ارشاد کیا ہے کہ "نحن معاشر الانبياء لا نورث" "ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے" مذکورۂ بالا

کبھی اس طرح احتجاج کیا کہ قرآن مجید میں تمہاری بیٹی کے لئے وارث ہونے کا حکم موجود ہے اور میں وارث نہیں ہو سکتی؟ کبھی یوں کہ کیوں ابن ابو قحافہ تم اپنے باپ کے وارث ہو سکتے ہو اور میں اپنے باپ کی وارث نہیں ہو سکتی یقیناً یہ جھوٹی بات ہے۔

(سیرۃ حلبیہ)

اس احتجاج کو آپ کی اسی تقریر میں ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے جو دعوے کرتے وقت آپ نے فرمائی تھی اور اسکے اسناد صحیحہ کے ساتھ درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جزو ۱۶ ص ۲۹۹ مطبوعہ طہران ۱۳۰۲ھ

کبھی آپ حضرت علیؑ کیساتھ تشریف لائیں اور حضرت ابو بکر سے قرآن کے ذریعہ سے احتجاج کیا

(۱) وورث سلیمان داؤد حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے

دوسرے جناب زکریا کے بارے میں ارشاد ہو کہ

یرثنی ویرث من آل یعقوب میرا وارث ہوا اور اولاد یعقوب کا وارث ہوا۔

(۳) یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین خدا تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا دوہرا حصہ ہے۔

وہ حق ہے ۔

فدک کے متعلق جناب فاطمہ زہراؑ اور حضرت ابوبکر میں نزاع

بخاری اور مسلم و سنن ابوداؤد اور تمام کتب مناقب میں اس طرح کے روایات و احادیث موجود ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا جب تک زندہ رہیں مطالبۂ فدک سے خاموشی اختیار نہ کی بلکہ بار بار مسجد رسول اللہ میں آکر مسلمانوں کے سامنے کبھی یوں دعوے کرتی تھیں کہ فدک میرے باپ رسول اللہ نے مجھے ہبہ کر دیا تھا اور اپنے دعوے پر گواہ پیش کرتی تھیں کبھی بطور وراثت دعوی کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اچھا اگر تم لوگ یہ نہیں مانتے تو مجھے وارث شرعی تو رسول اللہ کا تسلیم کرتے ہو اس بنا پر بھی فدک میرا ہی حق ہے حضرت ابوبکر سے احادیث و آیات پیش کرکے احتجاج کرتی تھیں کبھی فرماتی تھیں کہ ابوبکر تم بتاؤ کہ تم رسول اللہ کے وارث ہو یا انکے اہلبیت اور وہ فرماتے تھے کہ جی ان کے اہلبیت ہی وارث ہیں

(مسند احمد بن حنبل جلد اول مطبوعہ مصر)

فدک کی حقیقت ہبہ اور میراث ہونے کی حیثیت سے

تمام تاریخوں اور صحاح و سنن سے یہ ثابت شدہ ہے کہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو عطا فرمایا تھا اور اپنی زندگی ہی میں جناب سیدہ کو اس پر قبضہ دلایا تھا جب آنحضرت نے انتقال فرمایا ہے تو فدک جناب سیدہ ہی کے قبضہ میں تھا جس وقت حضرت ابوبکر جانشین خلافت ہوئے تو انہوں نے کچھ لوگوں کو محض اس لئے روانہ کیا کہ فدک حضرت فاطمہ کے قبضہ سے نکال لیا جائے جناب سیدہ نے اس امر میں حضرت ابوبکر سے احتجاج کیا جس وقت ان سے اس جائداد کے ہبہ ہونے پر شہادت مانگی تو یہ کہا گیا کہ یہ آپ کی محض زبردستی ہے بلکہ اسکے مقابل میں آپ کو خود شہادت پیش کرنا لازم ہے اس لئے کہ اگر کسی شخص کے قبضہ میں کوئی چیز ہوتی ہے تو صاحب قبضہ سے شہادت نہیں مانگی جاتی اسکے خلاف دعوٰی کرنے والے سے مانگنا چاہئے اب رہا یہ کہ حضرت علی اور ام ایمن نے شہادت کیوں دی تو یہ بھی اس لئے کہ مزید وضاحت ہو جائے اس بات کی کہ حضرت ابوبکر نے جائداد

ابن ابی الحدید نے شرح "نہج البلاغہ" میں لکھا ہے ابوبکر جوہری کی روایت ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکر تخت خلافت پر بیٹھے اس وقت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے والد بزرگوار حضرت سرورکائنات کی میراث طلب کی لیکن حضرت ابوبکر نے دینے سے انکار کیا جناب سیدہ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر آج تم مرجاؤ تو تمہارا وارث کون ہوگا ؟ انھوں نے کہا کہ میری اولاد ۔ تو فرمایا کہ پھر تم رسول اللہ کے وارث کیونکر بن بیٹھے اور اُن کی اولاد وارث نہیں ہوئی ۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے دختر رسول میں نے کیا کیا ؟ انھوں نے فرمایا کہ تم نے فدک پر قبضہ کرلیا ہے حالانکہ فدک مخصوص رسول اللہ کی ملکیت تھا ۔ جسکو پیغمبر نے اُن سے لے لیا تھا اور تم نے اُس چیز پر اپنا دست تطاول بڑھایا جو خدا نے خاص کر رسول اللہ کو عنایت فرمائی تھی اور اس پر میرا قبضہ تھا لیکن تم نے اسکو مجھ سے چھین لیا ۔

(صفحہ ۱۴ [illegible])

تمام احتجاجات ابن ابی الحدید نے تفصیل سے لکھے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہ ؑ اپنے دعوائے فدک سے کبھی خاموش نہیں ہوئیں بلکہ برابر مطالبہ کرتی رہیں ۔

—— (باقی) ——

ان النبیؐ اعطاها فدکا وقال لها
هل لک بینه فشهد لها علی کرم الله وجهه
وام ایمن فقال لها برجل وامراه
تستحقیه ۔

کہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فدک آپ کو عطا فرمایا تھا
تو ان سے کہا گیا کہ کوئی گواہ
بھی ہے؟ تو اس پر حضرت علی اور
ام ایمن نے گواہی دی جس کا جواب یہ دیا گیا کہ کیا ایک مرد اور ایک
عورت کی گواہی کی بناء پر آپ فدک کی مستحق ہو جائیں گی ۔

ان فاطمة اتت ابا بکر
بعد وفاة رسول الله وقالت
ان فدک نحلة ابی اعطانیها
حال حیاته وانکر علیها
ابو بکر وقال ارید بذلک
شهودا فشهد لها علی فطلب
شاهدا آخر وشهدت لها
ام ایمن فقال قد علمت یا
بنت رسول الله انه لا یجوز
الا شهادة رجل و
امرأتین ۔

حضرت فاطمہ ابوبکر کے پاس
بعد وفات رسولؐ آئیں اور کہا کہ
فدک میرے باپ کا عطیہ ہے
انہوں نے اپنی زندگی میں مجھے
دیدیا تھا حضرت ابوبکر نے
انکار کیا اور گواہ طلب کئے جناب
سیدہ نے علی ابن ابیطالب کو گواہ
دیا حضرت علی نے گواہی دی مگر
پھر دوسرا گواہ مانگا تو ام ایمن نے
گواہی دی حضرت ابوبکر نے
کہا آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرد اور

ناحق قبضہ کیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اپنے دعوی کی زیادہ سے زیادہ سچائی کو ظاہر کریں ورنہ درحقیقت ضرورت نہ تھی۔

جب حضرت علیؑ نے شہادت دی کہ جناب رسالتمآبؐ نے یہ جائداد حضرت فاطمہؑ کو دی ہے تو آپ کی گواہی قبول نہیں ہوئی لیکن حضرت ابوبکر نے کہا کہ "فیئ" یعنی مال مسلمین ہے۔ تو آپ کی شہادت قبول کر لی گئی آخر اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جناب سیدہؑ کے دعوے کی ترتیب

کہا جاتا ہے کہ جناب سیدہ نے پہلے فدک کی وراثت کا دعوی کیا اس کے بعد اس امر کا کہ آنحضرت نے یہ جائداد انھیں ہبہ کر دی تھی حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ انھوں نے پہلے اس کے ہبہ ہونے کا دعوی کیا جب وہ نہ قبول ہوا تو میراث کا دعوی کیا چنانچہ "سیرت حلبیہ" میں نہایت تصریح سے دعوے کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔

ان طلب ارثھا من	فدک بطور میراث مانگنے سے
فدک کان بعد ان ادعت	پہلے ہی آپ نے یہ دعوی کیا تھا

يوم مات ابوك والله لان تفتقر
عائشة احب الي من ان افتقر
انا فاني اعطي لاحمرها لا بيض
حقه واظلمك حقك وانت
بنت رسول الله ان هذا المال
لم يكن للنبي وانما كان مالا
من اموال المسلمين يحمل
النبي به الرجال وينفقه في
سبيل الله فلما توفي رسول
الله وليته كما كان يليه قالت
والله لا كلمتك ابدا قال والله
لا هجرتك ابدا قالت والله لادعون
الله عليك قال والله لادعون
الله لك فلما حضرتها الوفاة
اوصت ان لا يصلي عليها
فدفنت ليلا وصلى عليها
عباس بن عبد المطلب وكان

بہت پڑے خدا کی قسم اگر عائشہ
محتاج ہو جائے تو وہ مجھے محبوب ہے
اس سے کہ آپ مفلس ہوں اور میں
آپ دیکھتی ہیں کہ میں ہر سرخ و سفید
کو برابر اس کا حق دے رہا ہوں اور
آپ ہی کے حق کو غصب کر لوں گا
حالانکہ آپ رسول کی بیٹی ہیں۔ یہ مال
آنحضرتؐ کا خاص نہیں تو مسلمانوں
کا مال ہے جس میں آنحضرتؐ لوگوں
کو سواری کے لئے مرکب عطا فرماتے
تھے اور راہ خدا میں صرف
کرتے تھے جب انھوں نے انتقال
فرمایا اور میں حاکم ہوا تو اسی
طرح میں بھی کروں گا۔ جناب
فاطمہ نے کہا کہ میں تم سے کبھی
کلام نہیں کروں گی انھوں نے
کہا کہ میں آپ کو کبھی نہیں

دو عورتوں کی گواہی ہونا چاہیے ۔

وھی التی قالت فاطمة	فدک ہی وہ جائداد تھی جس کے
رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ	متعلق جناب فاطمہ نے ہبہ کا دعویٰ
نحلنیها فقال ابو بکر رضی اللہ	کیا تھا اور فرمایا کہ یہ مجھکو رسول اللہ نے
عنہ ارید بذلک شہوداً	عطا فرمایا تھا تو حضرت ابو بکر نے
ولها قصة ۔	کہا کہ گواہ لائیے اور اس کا قصہ
	طولانی ہے ۔

(معجم البلدان) بیان فدک، باب الفاء والدال ص۲۴۳ جلد ۶)

ابو بکر جوہری اور ہشام ابن محمد کی اپنے باپ سے روایت ہے

قالت فاطمة لابی بکر	فاطمہ نے ابو بکر سے کہا کہ ام ایمن
ان ام ایمن تشهد لی ان	گواہی دیتی ہیں کہ رسول نے
رسول اللہ اعطانی فدک	مجھے فدک عطا کر دیا تھا ابو بکر نے
فقال لها یا بنت رسول اللہ	کہا کہ اے دختر رسول خدا کی قسم
واللہ ما خلق اللہ خلقا	مخلوقات عالم میں مجھکو آپ کے والد
احب الی من رسول اللہ	رسول اللہ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں
ابیك ولوددت ان	جس روز انھوں نے وفات پائی
السماء وقعت علی الارض	اس روز میں چاہتا تھا کہ آسمان

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں کہ میں نے علی بن
فارقی سے جو بغداد کے مدرسہ غربیہ کے مدرس تھے پوچھا کہ
کیا جناب فاطمہؑ سچی اور صادقہ تھیں انھوں نے کہا کہ ہاں
میں نے کہا تو پھر حضرت ابوبکر نے فدک اُن کو کیوں نہ دیا جب کہ وہ
بھی یہ جانتے تھے کہ وہ سچی ہیں اور جو کچھ فرماتی ہیں اُس میں
کذب نہیں ہوتا۔ اُن کے دینے کو کیوں منع کیا گیا۔ وہ مسکرائے
اور ایک نہایت لطیف بات کہی کہنے لگے کہ اگر اُن کو صادقہ سمجھ کر
فدک دے دیا جاتا تو دوسرے ہی روز وہ خلافت علیؑ ابن ابیطالب
کی دعویدار ہوتیں اور حضرت ابوبکر کو اُن کی تصدیق کی بنا پر
یہ جگہ خالی کرنا پڑتی اس وقت کسی عذر کا موقع بھی باقی نہ رہتا
اس لئے کہ اس صورت میں حضرت ابوبکر اپنے اوپر خود الزام
قرار دے لیتے کہ چونکہ وہ صادقہ ہیں لہذا جو بھی دعویٰ کریں گی
اس کو بلا گواہ اور شاہد کے مان لیں۔

درحقیقت علی فارقی نے جو کچھ سمجھا ہے بہت ممکن ہے
کہ اسی وجہ سے دعویٰ حضرت سیدۃ النساء کا رد کردیا گیا ہو۔

حضرت سیدہ کے لئے فدک جناب رسالتمآب کا عطیہ تھا

اس کا ثبوت سابق کے روایات میں مذکور تھا۔ مزید توضیح کے لئے کنز العمال، مسند احمد بن حنبل اور ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ اور علامہ جلال الدین سیوطی کی مشہور تفسیر درمنثور سے ہبہ فدک کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال اور منتخب کنز العمال جو مسند احمد ابن حنبل کے حاشیہ پر مصر میں شائع ہوئی ہے کتاب الاخلاق کے مسئلہ جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وآت ذا القربی حقہ قال النبی یا فاطمۃ لک فدک وقال رواہ الحاکم فی تاریخہ۔ کنز العمال کتاب الاخلاق مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ ص [illegible]

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ جب آیت وآت ذا القربی حقہ نازل ہوئی تو آنحضرت نے جناب فاطمہ سے کہا کہ فدک تمہارے لئے ہے اور حاکم نے اپنی تاریخ میں بھی ذکر کیا ہے۔

ابوبکر نے کہا کہ کیا آپ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے مستحق قرار پاجائیں گی یعنی نہیں (صواعق) محرقہ باب ۱ ص ۲۲ مطبوعہ مصر

اس صریح روایت کے بعد کون انکار کر سکتا ہے کہ جناب فاطمہ کے قبضہ میں فدک نہ تھا۔ اور آج تک کسی نے اپنے انکار پر کوئی دلیل قوی پیش نہیں کی جس سے اسکے خلاف کوئی خیال ذہن میں پیدا ہو سکے۔

روی الحافظ ابن شیبہ
عن نمیر ابن حسان قال قلت
لزید بن علی و هو اخو الباقر انا
ارید ان اهجر ابابکر ان ابا بکر
انتزع فدک من فاطمة فقال
ان ابا بکر کان رجلا رحیما
وکان یکره ان یغیر شیئا فعله
رسول الله فاتته فاطمة فقالت
ان رسول الله اعطانی فدک
فقال لها هل لک بینة فجاءت
بعلی فشهد لها ثم جاءت بام
ایمن فقالت الیستما تشهدان ان

حافظ ابن شیبہ نے نمیر ابن
حسان سے روایت کی ہے اس نے
کہا کہ میں نے زید ابن علی سے جو امام
محمد باقر کے بھائی تھے کہا کہ میں
چاہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر کو چھوڑ دوں
انھوں نے حضرت فاطمہ سے فدک
چھین لیا تھا۔ تو آپ نے کہا کہ ابوبکر نرم دل
تھے اور رسول جو کچھ کر دیتے تھے
اس میں وہ تغیر کرنا برا جانتے تھے
لیکن اسکے باوجود حضرت فاطمہ
ان کے پاس آئیں اور کہا کہ
رسول اللہ نے مجھکو دیدیا تھا تو

اسکے بعد لکھتے ہیں کہ جب یہ روایت موجود ہے تو اس کے
انکار کی بلا دلیل کوئی وجہ نہیں۔

شرح ابن ابی الحدید جز ۴ صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ مصر

فدک پر جناب سیدہ کا قبضہ

جو روایتیں حضرت فاطمہؑ کے فدک پر قابض ہو لینے کے متعلق ہیں
ان کو یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ سواد اعظم اسلام کے اکابر علماء کے
تصریحات سے ایک صحیح نتیجہ پر پہونچا جا سکے۔

ان ابابکر انتزع من فاطمة
فدك وانه كان رحيما وكان
يكره ان يغير شيئا تركه رسول
اللهؐ فاتته فاطمة فقالت له
ان رسول الله اعطاني فدك
فقال هل لك بينة فشهد لها
عليؑ وام ايمن فقال لها
فبرجل وامرأة تستحقينها

حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہؑ
کے قبضہ سے فدک کو نکال لیا وہ
رحم دل تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے
کہ رسول اللہؐ کے ترک کردہ کسی چیز کی
تغیر کریں اس کے بعد جناب فاطمہؑ نے
ان سے کہا کہ فدک رسول اللہؐ نے
مجھے دے دیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ
گواہ ہیں؟ تو حضرت علیؑ اور ام
ایمن نے گواہی دی۔ حضرت

عذر بیکار ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب
کو کسی طرح غلط گو نہیں کہا جا سکتا تھا اور روایات میں کہیں ان کے
متعلق غلط گوئی کا شبہ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد ام ایمن [illegible]
حاکم سے خود اپنی صداقت پر گواہی لے لیں تو کیا اس کو مزید [illegible]
شہادت کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

نہیں بلکہ کسی حاکم کو ایسے شخص کی گواہی کرنا کافی سمجھنے کا حق
نہ جرأت ہو سکتی ہے سنن ابوداؤد میں شہادت کا قاعدہ کلیہ مذکور ہے

اذا علم الحاکم صدق	جس وقت حاکم کو ایک ہی شہادت [illegible]
شھادۃ الواحد یجوز (له)	یقین ہو جائے تو اس کے لئے یہ جائز ہے
لقضیہ۔	کہ اقرار کر لے اور دعوے کو تسلیم [illegible]

اس کے بعد انھوں نے خزیمہ بن ثابت کی گواہی کا تذکرہ کرتے
ہوئے ان کی شہادت کے متعلق ایک حدیث لکھی ہے جس میں رسول اللہ نے
فرمایا ہے کہ ان کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر ہے۔

(سنن ابوداؤد)

یہاں ام ایمن کی صداقت پر ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں حضرات کی گواہی
سے نصاب شہادت [illegible] پورا ہو گیا۔ اب کسی طرح حضرت [illegible]
کو انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی [illegible]

یعنی ابابکر و عمر انی من اهل
الجنۃ قالا بلی فانت فانا اشهد
ان رسول اللہ اعطی فاطمہ
فدک فقال ابوبکر فرجل و
امرأۃ اخری تستحقینها۔
تاریخ ... المصطفی
جلد ۲ ص ۱۶۱

اس پر انھوں نے کہا کہ گواہ ہیں؟
تو وہ حضرت علیؑ کو گواہی میں لائیں
انھوں نے گواہی دی پھر ام ایمن کو
گواہی میں پیش کیا انھوں نے کہا
کہ تم دونوں یعنی ابوبکر و عمر میرے
جنتی ہونے کی گواہی نہیں دو گے
دونوں نے کہا کہ ہاں ہم گواہی
دیتے ہیں۔ کہا تو پھر میں گواہ ہوں کہ حضرت رسول نے فاطمہؑ کو فدک دیا
تھا حضرت ابوبکر نے کہا تو کیا آپ صرف ایک مرد اور ایک عورت کی
گواہی سے فدک کی مستحق ہو جائیں گی۔

یہی روایت ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ابوبکر جوہری سے
نقل کی ہے جس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ فدک پر جناب سیدہ
کا حق محض انہی کی صداقت کے اوپر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ام ایمن نے
اپنی صداقت پر ہی حضرت ابوبکر و عمر سے گواہی لے کر حجت قائم کر دی کہ
جیسا یقینا ہوں گی وہ صحیح ہوگا اس کے بعد انھوں نے جناب سیدہ کو فدک عطا
کر دینے پر گواہی دی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فرجل و امرأۃ تستحقینها
کا ترجمہ کیا محض کہ کی گواہی سے تم مستحق ہو جاؤ گی، یہ خود ساختہ

وعویٰ نہیں کرسکتے تھے۔ بنا بریں جو کچھ کیا گیا وہ کسی طرح حق بجانب نہیں کہا جا سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ فدک جناب فاطمہؑ کو کیوں نہ دیا جاتا اس لئے کہ حضرت ابوبکر نے آں حضرت کی طرف منسوب کرکے یہ حدیث پیش کی تھی۔

نحن معاشر الانبیاء	ہم گروہ انبیاء وارث نہیں
لانورث ماترکنا صدقۃ	کرتے اور جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ

صدقہ یعنی تمام امت کا مال ہے۔

یہ دلیل اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب نحلہ اور صدقہ میں کوئی منافاۃ اور تضاد پایا جاتا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ "نحلہ" تو حالت حیات میں کوئی چیز دینے سے ہوتا ہے۔ اور صدقہ وفات کے بعد جناب سیدہ کے لئے فدک "نحلہ" تھا تو وہ اسی طرح بعد رسول بھی "نحلہ" کی حیثیت سے رہے گا اس کو میراث سمجھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ صدقہ ہے اس لئے تمام امت کا حق ہے۔

لہٰذا اگر جناب سیدہؑ نے فدک کے "نحلہ" ہونے کے

نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ عنقریب فنا ہو جائے گا اور قبرستان میں
جگہ پا سکتی۔

مذکورہ بالا الفاظ سے حضرت کے حالات ظاہر ہو جاتا ہے کہ
فدک آپ کے قبضہ میں تھا اور جو بزور شمشیر کے ساتھ اس کو سب لوگوں کے
ہاتھ سے لیا گیا۔ اور یہ کہ آپ کبھی اس پر کبھی راضی نہیں ہوئے
ہوئے وہ ۔ یہ قدرت کا فیصلہ کرنے والا خدا ہے۔

رہ گیا یہ اعتراض کہ اگر فدک حضرت فاطمہ کی ملک ہوتا تو حضرت
امیر ضرور اس پر قبضہ کر لیتے اور وہی صورت باقی نہ
رکھتے جو خلفائے سابق کے وقت میں تھی۔ اس کا جواب صاف ہے۔
انسان کو اپنی ملک میں اپنے اختیار کے ساتھ اختیار ہے کہ وہ جس
جس صورت سے چاہے صرف کرے۔ حضرت آخری الفاظ اس
کے فدک کے لئے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ مجھے فدک سے کیا کام جبکہ
انجام کار ظلمت لحد میں جانا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس سے چاہتا ہوں کہ میں تقویٰ اور پرہیزگاری
کے ساتھ ریاضت کرتا ہوں یعنی سب اموال دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتا
کیونکہ ممکن ہے اس سے میرا نفس محبت دنیا اور جمع مال کی طرف متوجہ
ہو جائے اس لئے سب ترک کر دیا ہے یہ سب اس لئے کر رہا ہوں کہ

قوم آخرين اى سامحت
واغضت وليس المراد هنا
بالسخاء الاهذا لا السخاء الحقيقي
لانه عليه السلام واهله انما
سمحوا بفدك للغصب والقسر
ثم قال ونعم الحكم الله والحكم
الحاكم وهذا الكلام كلام
شاك متظلم ثم ذكر ما آل
الانسان وانه لا ينبغى ان
يكترث بالقينات والاموال
فانه يصير عن قريب الى دار
البلاء ومنازل الموتى

حضرت کے اس ارشاد کی جو نیچے
الفاظ میں شرح کرتے ہیں۔ حضرت
فرماتے ہیں کہ میرے پاس اس دنیا سے
کچھ نہیں سوا اور ثہ میں شاکے جو
کبھی جمع کیا۔ ہمارے ہاتھوں میں
جو کچھ تھا وہ فدک لیکن بعض لوگوں
نے اس کے متعلق بخل کیا اور
دوسرے فریق کے نفس نے
سخاوت کی یعنی انھوں نے چشم پوشی
سے کام لیا اور قطع نظر کیا۔
یہاں سخاوت سے مراد یہ ہے۔ نہ
سخاوت کے اصلی معنی کیونکہ آپ نے
اور آپ کے اہلبیت نے فدک بخوشی نہیں دیا تھا بلکہ ظلم و جبر کے ساتھ
دیا تھا۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ بہترین حکم خدا ہے۔

حکم کے معنی ہیں حاکم یعنی فیصلہ کرنے والا اور اس کلام سے ظاہر ہے
کہ آپ شکوہ کر رہے ہیں اور مظلومیت کا اظہار کر رہے ہیں اس کے بعد آپ نے
انسان کا آخری انجام بیان کیا ہے اور یہ کہ اسکو اموال کی طرف توجہ

"اخبرته ان رسول الله اعطانی
فدک وان علیا وام ایمن
یشہدان لی بذلک فاعطاہا
وکتب لہا فاخذ عمر الکتاب
ثم رجع الی ابی بکر فقال
اعطیت فاطمۃ فدک وکتبت
بہا لہا قال نعم فقال ان
علیا یجر الی نفسہ وام ایمن
امرأۃ فبصق فی الکتاب
فمحاہ وخرقہ"

• شرح ابن ابی الحدید معتزلی
جزو ۱۶ ص ۲۷۴ چاپ طہران

بیشک میں نے آپ کو فدک دیدیا
اور حضرت ابوبکر نے ایک تحریر [illegible]
ورق پر لکھ دیا اور اس کو لئے ہوئے
حضرت فاطمہؑ کی [illegible]
[illegible]
فاطمہؑ آپ کہاں سے آرہی ہیں
فرمایا کہ ابوبکر کے پاس سے [illegible]
ان کو بتایا کہ فدک رسول اللہؐ نے
مجھ کو دے دیا تھا علیؑ اور ام ایمن اسی
کی گواہی دیتے ہیں تو انہوں نے
فدک مجھ کو دیدیا اور نوشتہ لکھ
اس کے بارے میں [illegible]

عمر نے وہ نوشتہ لے لیا اور ابوبکر کے پاس واپس آئے کہنے لگے کہ کیا
تم نے فاطمہؑ کو فدک دیدیا ہے اور لکھ بھی دیا انہوں نے کہا ہاں
عمر نے کہا کہ علیؑ تو اپنے نفع کی بات کہتے ہیں اور ام ایمن عورت ہیں
یعنی ان کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ اس نوشتہ میں حضرت عمر نے لعاب دہن
لگا کر مٹا دیا۔ اور چاک کر ڈالا۔

مولی آل عثمان قال لما ولی
عمر بن عبدالعزیز رد فدك
علی ولد فاطمة وکتب الی والیه
علی المدینة ابی بکر عمرو ابن حزم
یامره بذلك فکتب الیه ان
فاطمة قد ولدت فی آل عثمان
وآل فلان وفلان فعلی من
ارد منهم فکتب الیه اما بعد
فانی لو کتبت الیك آمرك ان
تذبح شاة لکتبت الی اجماء
ام قرناء او کتبت الیك ان
تذبح بقرة لسألتنی ما لونها
فاذا ورد علیك کتابی هذا
فاقسمها فی ولد فاطمة من
علی والسلام۔

شرح نہج البلاغہ للمعتزلی
(چھاپہ طہران)

ابن زیاد غلام آل عثمان سے روایت
کی ہے کہ جب عمر ابن عبدالعزیز
حاکم ہوا تو اس نے اولاد فاطمہ
کو فدک واپس کر دیا اور والی مدینہ
ابوبکر عمرو ابن حزم کو حکم نامہ لکھا اسکے
متعلق اس نے کہا کہ فاطمہ نام کی
عورتوں کی اولاد تو آل عثمان
اور فلاں فلاں کی اولاد میں بھی ہے
تو میں ان میں سے کس کو واپس
کر دوں، عمر ابن عبدالعزیز نے
جواب دیا کہ میں اگر تم کو لکھوں کہ
ایک بکری ذبح کر دو تو تم لکھو گے
کہ بے سینگ کی یا سینگ والی یا میں
لکھوں کہ تم ایک گائے ذبح کر دو
تو تم پوچھو گے اس کا رنگ کیا ہو
کیوں؟ تمہارے پاس جب میرا
[illegible] پہونچے تو تم فدک کو

للخلافة كتب الى عامله بالمدينة
بامره برد فدك الى ولد
فاطمة فكانت فى يديهم ايامه
فلما ولى يزيد ابن عبد الملك
قبضها فلم تزل فى بنى امية
حتى ولى ابو العباس السفاح
الخلافة فدفعها الى الحسن
بن الحسن بن على بن ابيطالب
فكان هو القيم عليها يفرقها
فى ولد على فلما ولى المنصور
وخرج عليه بنو حسن قبضها
عنهم فلما ولى ابنه المهدى
اعادها عليهم ثم قبضها موسى
بن الهادى ومن بعده الى
ايام المامون فجاءه رسول بنى
على فطالب بها فامر ان يسجل
لهم بها فكتب السجل وقرء على

تو اُس نے عامل مدینہ کو حکم نامہ لکھا
کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا جائے
چنانچہ اس کے زمانہ خلافت تک فدک
انہی کے ہاتھوں میں رہا مگر جب
یزید ابن عبد الملک خلیفہ ہوا تو اُس نے
لیلیا اس وقت سے برابر بنی اُمیّہ
ہی کے ہاتھوں میں رہا یہاں تک کہ
ابو العباس سفاح حاکم ہوا تو اُس نے
حسن ابن حسن ابن علی ابن ابیطالب
کو دیدیا وہ اُس کا انتظام کرتے تھے
اور اُس کی آمدنی اولاد علی میں تقسیم
کر دیا کرتے تھے جب منصور خلیفہ ہوا
اور اولاد امام حسن نے اُس سے
جنگ کی تو اُس نے پھر ضبط کر لیا
اس کے بعد جب مہدی عباسی خلیفہ
ہوا تو اُس نے پھر انہی لوگوں کو
واپس کر دیا، پھر موسی ابن ہادی نے

اولاد فاطمہ میں جو علی ابن ابیطالب سے ہیں تقسیم کردو۔"

فدک کے نحلہ ہونے پر مامون خلیفہ عباسی کی تصدیق)

معجم البلدان میں یاقوت حموی نے فدک کے بیان میں لکھا ہے

لما كانت سنة مائتين	سنہ ۲۱۰ میں مامون نے فدک
وعشر امر للمامون بدفعها	اولاد فاطمہ کو دیدیے کا حکم دیا
الى ولد فاطمة امران يسجل	اس نے حکم دیا کہ ان کے لئے
لهم بها فكتب السجل وقرئ	ایک نوشتہ لکھدیا جائے چنانچہ
على المامون فقام دعبل	وہ لکھکر مامون کے سامنے سنایا گیا تو
وانشد	دعبل کھڑے ہوئے اور یہ شعر پڑھا از کا
صبح وجه الزمان قد ضحكا	چہرہ شگفتہ ہو گیا اس بات کے کہ مامون نے
برد مامون هاشما فدكا	بنی ہاشم کو فدک واپس کردیا۔

(معجم البلدان جلد ۶ ص ۳۴۳)

اسی طرح کی روایت سمہودی نے بھی لکھی ہے۔

فلما ولى عمر ابن عبد العزيز	جب عمر ابن عبد العزیز خلیفہ ہوا

الی محمد بن یحیی بن الحسین	کی جائے ۔ میری رائے یہ ہے کہ
بن زید بن علی بن الحسین	فدک اُن کے وارثوں کو واپس
بن علی بن ابیطالب ومحمد	کر دیا جائے اور محمد ابن یحیی ابن حسین
بن عبد الله بن الحسین بن	ابن زید ابن علی ابن حسین ابن علی
علی بن الحسین بن علی بن	ابن ابیطالب کو اور محمد ابن عبداللہ
ابیطالب لیقوما بھا لاھلھا	ابن حسین ابن علی ابن حسین ابن علی
معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۴۵	ابن ابیطالب کے سپرد کر دیا جائے

تاکہ وہ لوگ اپنے اہل عیال کے لئے اس کا انتظام کریں ۔

اس نوشتہ کی عبارت صاف بتاتی ہے کہ فدک جناب سیدہ کے قبضہ میں تھا ۔ اور یہ بات ایسی مشہور و معروف تھی کہ ہر شخص کو اس پر یقین ہو جاتا تھا ۔ اگر فدک مسلمانوں کا حق ہوتا اور رسول اللہ کی ملک خالص نہ ہوتی تو رسول اللہ کو کوئی حق نہ تھا کہ اُس کو فاطمہ کی جاگیر بنا دیتے اور نہ حضرت ابوبکر کے اس قول کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان جئت بشھود عدول " اگر آپ صاحبان عدل کی شہادتیں پیش کریں تو البتہ مل سکتا ہے " اس لئے کہ اس چیز پر جس میں انسان کا کوئی حق نہیں شہادت قائم کرنے سے اس میں حق نہیں ہو سکتا ۔

فقام دعبل
تاریخ وفاء الوفاء
باخبار دار المصطفیٰ جلد دوم صفحہ ۱۶۰

قبضہ کرلیا اور اس کے بعد یوں کے
زمانہ تک کے خلفاء قابض رہے
مامون کا وقت آیا تو اولاد علی کا
نمائندہ آیا اور اس نے فدک کا مطالبہ کیا مامون نے واپسی کا نوشتہ لکھنے کا
حکم دیا جب وہ لکھا جا چکا تو مامون کے سامنے پڑھا گیا جس کو سن کر دعبل
کھڑے ہوئے اور قصیدہ پڑھا ۔

نوشتہ کی عبارت

عربی	اردو
کتب المامون الی قثم بن جعفر	مامون نے قثم ابن جعفر
عامله علی المدینة انه کان رسول	عامل مدینہ کو لکھا کہ فدک جناب
الله اعطی بنته فاطمة فدک	رسول خدا نے اپنی بیٹی فاطمہ کو
وتصدق بها علیها وان ذلک	دیدیا تھا اور انہی پر خرچ کرتے تھے
کان امرا ظاهرا معروفا	یہ اولاد رسول میں مشہور و معروف
عند آله علیهم السلام ثم لم	بات ہے، چنانچہ جناب فاطمہ اس کے
تزل فاطمة تدعی منه بما هی	اس کے متعلق برابر دعویٰ فرماتی رہیں
اولی من صدق علیها وانه	ایسا کہ وہ مستحق ترین انسان ہیں اس
قد رأی ردها الی ورثتها وتسلیمها	امر کی کہ ان کے دعوے کی تصدیق

انہی کے قبضہ میں تھا اور حضرت ابوبکر نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد اُن کے تصرف سے علیحدہ کر کے بیت المال میں داخل کیا تھا یہ عجیب بات ہے کہ اگر کوئی مرجائے تو اُس کے اموال کو بیت المال مسلمین میں داخل کر لیا جائے جب کہ اُسکے وارث موجود ہیں۔

میرا سوال ہے اسلامی دنیا سے کہ مثلاً اگر حضرت ابوبکر یہ دعوٰی کریں کہ حضرت ابوہریرہ کے مرنے کے بعد اُن کا مال صدقہ ہے اور عامہ مسلمین کا حق ہے حالانکہ اُن کا وارث موجود ہو لیکن اس پر کوئی دلیل نہ قائم کریں تو کیا یہ دعوٰی قابل سماعت ہوگا؟ نہیں اسطرح دعوے کبھی وارث کی موجودگی میں قابل قبول نہیں ہوسکتے شرعی حیثیت سے وہی وارث اس تمام مال کا مالک قرار پائیگا۔

تو پھر اب یہ فیصلہ آپ خود کرسکتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سے اُنکے دعوے پر دلیل اور ثبوت اور شاہد کا مطالبہ کرنے کی کیا وجہ صحیح موجود تھی۔ ظاہر ہے کہ کوئی وجہ نہ تھی، فدک کا فاطمہ کے تصرف سے نکالنا اور پھر بیت المال میں داخل کرنا خود دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت ابوبکر بلا ثبوت اُس پر متصرف ہوئے۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابوبکر نے اپنے علم و یقین کے موافق فیصلہ کرکے فدک کو بیت المال میں داخل کر لیا

صاحبِ قبضہ کے اوپر بارِ ثبوت نہیں

شریعت اسلامیہ نے اُس پر ثبوت پیش کرنے کی تکلیف عائد نہیں کی جو صاحبِ قبضہ ہو البتہ اُس کے علاوہ جو شخص اپنی ملکیت وغیرہ کا دعویٰ کرے اس پر ضروری ہے کہ ثبوت پیش کرے۔ اس کلیہ کے ماتحت دعویٰ فدک کی نوعیت پر نظر ڈالنا چاہیے۔

کتب تواریخ و صحاح و سنن وغیرہ سے جس قدر حوالے نقل کئے گئے اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا یہ دعویٰ تھا کہ فدک کو رسولؐ نے اس شخص سے متعلق کیا ہے جو اُن کے بعد حاکم شریعت ہے حضرت ابوبکر نے آنحضرت کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ انما یاکل آل محمّد وذرّیتہ فی ھذا المال یعنی مال اللہ " یعنے جناب رسالت مآب نے ارشاد فرمایا کہ اس مال میں سے آل محمدؐ اور اُن کی ذریت کھائے گی"

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں "یعنی مال خدا میں سے" مذکورہ بالا کلیہ اور ضابطہ کے مطابق جو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ حضرت ابوبکر کو اپنے دعویٰ پر دلیل لانا لازم ہے نہ جناب سیدہ پر اس لئے کہ تملیک

اور کسی یقین کو کوئی گواہی کیونکر منقطع کرسکے اُس کے خلاف کیونکر یقین پیدا کر سکتی ہے، یا یہ کہ یقین کر لینے والا کیونکر اپنے یقین سے پلٹ سکتا ہو خصوصًا حضرت ابوبکر ایسا یقین کر لینے والا جن کا یقین خود رسول سے سنی ہوئی حدیث سے قائم ہو۔

ورنہ جناب سیدہ کے دعوے پر یقین کرنے کے لئے تو خود اُنکی جلالت مرتبہ اور عظمت شان کافی ہے۔ ایک حاکم منصف جناب فاطمہ کے صدیقہ اور سیدۂ نساء عالمین اور معصومہ ہونے ہی کی وجہ سے اُنکے ارشاد کو تسلیم کرلے گا چہ جائیکہ حضرت علی اور ام ایمن کی اُس پر گواہی بھی ہو جائے جن کے جنتی ہونے پر خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔

حیرت ہے کہ ازواج رسول اپنے اپنے حجروں کی ملکیت کا دعویٰ کریں تو وہ حضرت ابوبکر کے لئے بلا گواہی اور ثبوت کے قابل تسلیم ٹھہرے اور جناب صدیقہ کبریٰ کے دعوے پر ثبوت طلب کیا جائے حالانکہ اُن کی عصمت اور کذب سے بری ہونے پر آیۂ تطہیر و آیۂ مباہلہ اور دیگر آیات شاہد عادل ہیں اُن کے ارشاد کو تو بدرجہ اولیٰ قبول کرنا چاہیے تھا

شریعت میں دلیل اور بیّنہ قائم کرنے کی غرض یہ ہے کہ انسان کو

اس لئے کہ شریعت نے کسی حاکم کو اس کا مجاز نہیں کیا ہے کہ وہ صرف اپنے ذاتی علم کے موافق عمل کرے بلکہ ظاہر میں جس طرح کا ثبوت فراہم ہو اُسی پر فیصلہ کرنا چاہیئے آں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

انما اقضی بینکم بالبینات والایمان

"میں تم لوگوں کا فیصلہ صرف گواہ شاہد اور حلف وقسم کے بموجب کیا کرتا ہوں"

کلمہ انما دلیل حصر ہے یعنی اسی طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور بس۔ حضرت ابوبکر نے اپنے دعوی پر کوئی ثبوت وشہادت پیش نہیں کی حالانکہ وہ یہ کہتے تھے کہ میں تو وہی سب کچھ کرتا ہوں جو رسول کرتے تھے۔ اور اس میں کوئی تغیر کرنا پسند نہیں کرتا" اس لئے یہ فعل اُن کا عمل رسول اللہ میں تغیر کرنے ہی پر محمول ہو سکتا ہے یا اُن کا ذاتی اجتہاد قرار پائے گا جو مخالف قول وفعل رسول ہوگا۔ اسکے خلاف جناب سیدہ سے شاہد طلب کیا گیا جو مطلقا درست نہ تھا۔ لیکن اگر یہ اُن کا اجتہاد تھا تو یہ دیکھنا پڑیگا کہ صحیح ہے یا غلط۔ اگر یہ اجتہاد غلط تھا جیساکہ تھا بھی تو جناب سیدہ کا قبضہ اپنی جگہ برقرار رہے گا اور اُن کو مدعی قرار دے کر کوئی ثبوت مانگنا بھی از روئے شریعت غلط ہوگا۔

طرفہ تر یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کو فدک کے حق مسلمین ہونے کا علم ویقین حاصل تھا تو جناب سیدہ سے شاہد طلب کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں

ندر راز کچھ اور ہی تھا جو سابق میں بتایا جاچکا ورنہ کم از کم حضرت علی
ورام ایمن کی ایسی گواہیاں پیش ہونے پر تو فدک دیدینا چاہیئے تھا۔
حالانکہ وہ بھی مسترد کردی گئیں

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ

ملا علی متقی حنفی نے تحریر فرمایا ہے۔
"ان رسول اللہؐ وابابکر وعمرؓ وعثمان کانوا یقضون بشھادۃ
الواحد ویمین المدعی" رسول خداؐ اور ابوبکر وعمر وعثمان ایک
گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کردیا کرتے تھے"
(کنز العمال کتاب الشہادت جلد ۴ ص)

اس تمام معمول کے ہوتے ہوئے جناب سیدہ کے لئے وہ کونسی
رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی جو نہ قسم سے پوری ہوسکی اور نہ ایک مرد اور
عورت سے بلکہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ایک اور مرد کی گواہی یا ایک
دوسری عورت کی گواہی پیش کیجیئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خود حضرت ابوبکر کا معتبر ہونا اور ان کیساتھ
حسن ظن کا قائم ہونا اون کی بیان کی ہوئی روایت کے شبہہ کو برطرف کردیتا ہے
تو اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ کیوں نہ حضرت علی علیہ السلام کیساتھ

وجہ سے مدعی کی سچائی پر ظن غالب کا فائدہ حاصل کیا جا سکے۔
اسی لئے گواہوں میں عدالت بھی ضروری قرار دی گئی ہے کہ اس سے
رجحان خیال میں تقویت حاصل ہو سکے یہی وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے
سمجھ لیا کہ حاکم بغیر شہادت اپنے علم سے فیصلہ کر سکتا ہے اس لئے کہ
اس کا علم زیادہ قوی ہے اس ظن غالب سے جو شہادت سے
حاصل ہوتا ہے۔

اقرار بھی اسی لئے شہادت پر مقدم سمجھا گیا کہ اس سے جو ظن
حاصل ہوتا ہے وہ قوی ہے اس ظن سے جو شہادت کے ذریعے
حاصل ہو۔ تو پھر علم و یقین تو بدرجہ اولیٰ مقدم ہوگا لہذا علم کے ہوتے
ہوئے ذرائع گمان غالب مثلاً شہادت وغیرہ کی طرف توجہ کرنے کی
ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس کلیہ کی بنا پر معاملہ فدک پر غور کیا جائے تو حضرت ابوبکر کا
فقرہ ان جئت بشهود عدل والا فهي للمسلمين "اگر آپ کچھ
سچی شہادتیں پیش کریں تو خیر ورنہ فدک مسلمانوں کا قرار پائے گا
بیکار اور لا یعنی بات ہو گی اس لئے کہ ان کو اس بارے میں بقول
آپ کے رسول اللہ سے سنی ہوئی حدیث کی بنا پر علم حاصل تھا
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام باتیں محض بہانہ تھیں اور اسکے

اور اُس کو بیت المال میں داخل ہونا چاہیے، جو مسلمانوں ہی پر صرف کیا جائے گا۔

جناب سیدہ نے تو فدک کے ہبہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اُس پر ام ایمن اور علی ابن ابیطالبؑ گواہیاں دیں مگر حضرت ابوبکر نے کوئی پروا نہیں کی، سوادِ اعظم اسلام کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ آخر تلوار خنجر اور عمامہ تبرکات رسول اللہ بھی تو ترکہ تھے، جو علی ہی کے قبضہ میں بطور عطیہ رسول رہے جن پر کوئی ثبوت اور شہادت طلب نہیں کی گئی، صرف فدک ہی کیوں نظروں میں سما گیا تھا آخر ان تبرکات کو پس پشت ڈال دیا گیا، آپ کہیں گے کہ ان تمام چیزوں کے بارے میں حضرت ابوبکر نے اپنے علم کے بموجب عمل کیا، مگر جب بھی حضرت ابوبکر الزام سے بری نہیں ہوتے اُن کو مذکورہ بالا اشیاء سے متعلق یہ ظاہر کر دینا چاہیے تھا کہ مجھے علم ہے کہ رسول اللہ نے علی ابن ابیطالب کو دیدیا تھا اور فدک کے بارے میں مجھے اس اس طرح کا علم ہے جو رسول کے ارشادات سے حاصل ہوا ہے۔

خصوصاً اُس وقت یہ امر ظاہر ہو ہی جانا چاہیے تھا جب حضرت عباس عم رسول تبرکات کے متعلق علی ابن ابیطالب سے نزاع کر رہے تھے مگر افسوس یہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا۔

حُسن ظن اور آپ کا محلِ اعتبار ہونا اس امر کی سند ہو کہ آپ نے جو
گواہی دی وہ درست تھی" اور یہ کہ فدک حقیقۃً جناب رسالت مآب کا
عطیہ تھا جو زندگی میں جناب فاطمہ کو مل چکا تھا اور اس لحاظ سے وہ
ترکہ میں داخل ہی نہیں تھا تاکہ حضرت ابوبکر کی بیان کی ہوئی روایت
کی زد میں آسکے خصوصاً جبکہ کتب سیر و تواریخ اس بات پر شاہد ہیں
کہ جناب رسالتمآب سے اُن کی زندگی میں کچھ عطایا و مواہب لوگوں کو
ملے تھے منجملہ اُن کے فدک ہی تھا جو اُنھوں نے جناب سیدہ کو دیا تھا
جس پر حضرت علی کی گواہی ہے اور آپ کی گواہی اس لئے ناقابل
استرداد ہے کہ آپ مواقع شہادت سے خوب واقف تھے اور تہمت
کذب سے بری تھے،

جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے "اقضاکم علی"
"تم میں سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والے علی ابن ابیطالب ہیں"
معلوم ہوا کہ اگر آپ کے کلام میں کسی طرح کی تہمت کا شائبہ بھی
ہوتا تو آپ ہرگز گواہی کی جانب اقدام نہ کرتے لیکن حدیث مذکور
کی بنا پر آپ کی گواہی کی تصدیق لازمی ہے اس لئے فدک ترکہ
رسول میں شامل نہیں ہو سکتا تاکہ وہ میراث فاطمہ قرار پائے
اور حضرت ابوبکر کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ ترکہ رسول تو صدقہ مسلمین ہے

اس آیت میں "شاہد" کی لفظ سے کون مراد ہے؟ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علی ابن ابی طالبؑ کی ایک روایت لکھی ہے۔

ابونعیم روایت کرتے ہیں حضرتؑ سے آپ نے فرمایا "ما من رجل من قریش الا نزل فیه طائفة من القران فقال له رجل ما نزل فیك قال ما تقرء سورة هود افمن كان على بينة من ربه ويتلوه شاهد منه رسول الله على بينة من ربه وانا التالي الشاهد منه"۔ قریش میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں قرآن کا کوئی حصہ نازل نہ ہوا ہو۔ ایک شخص نے پوچھا آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا فرمایا تم نے سورۂ ہود میں نہیں پڑھا افمن کان الخ على بينة من ربه سے مراد رسول اللہ ہیں اور "تالی شاہد" سے میں مراد ہوں" (تفسیر درمنثور جلد ۳ ص ۳۲۴)

علامہ جوینی نے تحریر فرمایا ہے "ابن عباس اور زاذان نے علی ابن ابیطالب سے روایت کی ہے۔

قال ان رسول الله كان على بينة من ربه وانا التالي الشاهد منه۔ (فرائد السمطین جوینی)	رسول اللہ بینہ اور دلیل پر قائم تھے اور میں ان کا تالی و شاہد تھا۔

علی ابن ابیطالبؑ کی شہادت

اور اسکی قبولیت کی بحث!

وہ علیؑ جس نے رسولؐ کے آغوش میں آنکھ کھولی اور وہیں تربیت ہوئی جوان ہوئے اور اُن کی سیدۂ نساء العالمین بیٹی سے شادی ہوئی، ان کے اعتبار شہادت کیلئے کسی ثبوت کی کیا ضرورت مگر دُنیا ہے اور وہی دُنیا جس کو "بکری کی ناک کی رطوبت" سے تعبیر کرکے انہی علیؑ نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کو سمجھانا ہے اسی لئے ان کے فضائل کے دریائے ناپیدا کنار میں تجسس کرنا ہے، کیئے دیکھیں یہ کہیں سے "قابل اعتبار" اور بقول حضرت ابوبکر "شہود عدول" میں داخل ہونے کے قابل ہیں یا نہیں؟ قرآن کیا کہتا ہے؟ اُس کا بنایا ہوا رسول علیؑ کو کیا سمجھتا ہے اور سواد اعظم کیا رطب اللسانی کر رہا ہے؟ پہلے آیات کا شمار کیجئے

(۱) فمن کان علی بیّنۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ

"وہ جو اپنے رب کی طرف دلیل لیے کھڑا ہو (اور) جسکا شاہد اُسکے ساتھ ساتھ ہو"

فرعون ـــــ و علی ابن ابیطالب۔

حزقیل مومن آل فرعون اور علی ابن ابیطالب۔

([illegible])

(۳) آیہ مباہلہ میں علیؑ نفس رسول قرار دیئے گئے ہیں اسلئے کہ اس آیت میں "انفسنا" سے مراد علی ہیں۔ باجماع مفسرین۔

احادیث فضائل علیؑ

علی اور قرآن

اخرج الطبرانی فی الاوسط عن ام سلمہ قال سمعت رسول اللہ یقول علی مع القرآن و القرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض

(صواعق محرقہ)

طبرانی نے اوسط میں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب رسالتمآب سے سنا ہے فرماتے تھے کہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے اس وقت تک علیحدہ نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہو جائیں۔

علی اور حق

وقد روی الجمہور ان النبی قال الحق مع علی و علی مع الحق

جمہور نے روایت کی ہے آنحضرت نے فرمایا کہ حق علی کے ساتھ

تفسیر درمنثور میں ابن مردویہ اور ابن عساکر سے یہی روایت ہے اور دوسری طرح سے ایک روایت وارد ہے۔

عن علی قال قال رسول اللّٰہ	حضرت علی سے روایت ہے
افمن کان علی بینۃ من ربہ	کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ افمن کان
انا ویتلوہ شاھد منہ علی	علی بینۃ میں ہوں اور یتلوہ شاہد منہ
(درمنثور جلد ۳ ص ۳۲۴)	علی ہیں۔

علامہ احمد ابن حنبل نے بھی بسند ابن عباس اسی روایت کو نقل کیا ہے۔

(۲) والذین امنوا باللہ	اور وہ لوگ جو ایمان لائے
ورسولہ اولئک ھم	خدا اور اُسکے رسول پر وہی
الصدیقون۔	صدیق ہیں۔

علامہ احمد ابن حنبل نے روایت کی ہے کہ "نزلت فی علیؑ" یہ آیت علی ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے (مسند احمد ابن حنبل)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں

عن ابی لیلیٰ ان رسول اللّٰہ	ابولیلیٰ سے روایت ہے
قال الصدیقون ثلثۃ حبیب	حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ
النجار وحزقیل مومن آل	صدیق تین آدمی ہیں حبیب نجار

اصحابہ فجاء علی فقال یا رسول اللہ اخیت بین اصحابک وترکتنی ولم تواخ بینی و بین احد فقال انما ترکتک لنفسی انت اخی وانا اخوک فی الدنیا والاخرۃ ۔

(صواعق محرقہ ص۷۵)

اصحاب میں برادری قرار دی تو علی آگئے انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے اپنے ساتھیوں میں برادری قرار دی اور مجھے چھوڑ دیا مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا، حضرت نے فرمایا میں نے تم کو اپنے لئے چھوڑ رکھا ہے تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ابن روزبہان نے اس کے متعلق کہا ہے۔

(۱) حدیث المواخاۃ مشہور معتبر معول علیہ ولا شک ان علیا اخو رسول اللہ ومحبہ وحبیبہ وکان رسول اللہ شدید الحب لہ وھذا کلہ یوخذ من صحاحنا ومذھبنا

حدیث مواخاۃ مشہور و معتبر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ علی رسول اللہ کے بھائی ہیں اور ان کے دوست ہیں اور حبیب ہیں رسول اللہ صلعم ان سے بہت محبت کرتے تھے، یہ تمام باتیں ہمارے صحاح میں موجود ہیں اور ہمارے مذہب میں ہیں۔

اب ان آیات اور احادیث کی روشنی میں علی کی شہادت کو

بیں ور معہ حیثما دار	کیسا عجب ہے اور علی حق کیساتھ ہے حق
(صواعق محرقہ) ص۶۷	اودھر ہی جاتا ہے جدھر علی جاتے ہیں

علی باب حطہ

عن ابن عباس ان النبی	ابن عباس سے روایت ہے
قال علی باب حطۃ فی بنی	کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ علی
اسرائیل من دخل فیہ کان	باب حطہ دروازہ مغفرت بنی
مومنا ومن خرج عنہ کان	اسرائیل ہیں جو اس میں داخل ہوا
کافرا	وہ مومن ہے اور جو علیحدہ رہا
(صواعق محرقہ) ص۷۵	وہ کافر ہے۔

اہل بیت رسول مثل سفینہ نوح کے ہیں

ان النبی قال مثل اہلبیتی	آنحضرت نے فرمایا میرے
فیکم کسفینۃ نوح من رکبھا	اہلبیت کی مثال تم میں سفینہ نوح
نجا ومن تخلف عنھا ھلک	کی سی ہے جو سوار ہوا وہ نجات
	پائے گا اور جس نے اعراض کیا
	وہ ہلاک ہو گیا۔

علیؑ رسول اللہؐ کے بھائی ہیں

ان رسول اللہ اخی بین	جناب رسول خدا نے اپنے

اهل بیتی و خاصتی اذھب عنہم الرجس و طہرھم تطہیرًا" پروردگار یہ میرے اہلبیت اور مخصوص لوگ ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

ناواقفیت کی بھی تو کوئی انتہا ہوتی ہے؛ آخر ہر وقت کے ساتھ بیٹھنے والے تھے سینکڑوں مرتبہ ان الفاظ کو زبان رسالت سے سُن چکے ہوں گے، کہاں تک یہ عذر لنگ کام آتا رہے گا۔ بہرحال مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر حضرت ابوبکر کو تنہا علی کی شہادت تسلیم کرکے فدک دیدینا چاہیئے تھا مگر انھوں نے اپنے خاص مصالح کی بنا پر ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیا۔

دوسری آیت میں مفسرین نے نہایت صریحی طور سے بتایا ہے کہ علی ابن ابیطالب صدیقین میں داخل ہیں اس بنا پر بھی حضرت ابوبکر کو صرف انھیں کی شہادت پر اکتفا کرنا چاہیئے تھی مگر انھوں نے اُن کے علاوہ ام ایمن کی گواہی پر بھی اکتفا نہیں کی کیا یہ صورت جائز کہی جا سکتی ہے؟

تیسری آیت آیہ مباہلہ ہے جس میں باجماع مفسرین "انفسنا" سے مراد علی ہی ہیں تو گویا علی نفس رسول ہوئے اس سے بھی اُن کی عظمت مرتبہ کا تقاضا تھا کہ حضرت ابوبکر شہادت کو رد نہ کرتے یہ درحقیقت

دیکھئے کیا اس بنا پر علی کی شہادت قابل اعتبار نہیں ہے کہ ان کو خدا نے اپنے رسول کا شاہد قرار دیا ہے، اگر ایسا ہے تو شاہد رسولؐ ہونے میں کیا شرف اور فضیلت ہوئی حالانکہ خداوند عالم نے موقع اظہار فضیلت میں آیت نازل فرمائی اور آیہ مباہلہ نے درحقیقت علی کی عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ علی کی گواہی محض قابل قبول ہی نہیں بلکہ ناقابل استرداد ہے بھلا جس کی شہادت اور گواہی تصدیق رسالت کے سلسلہ میں خدا کے نزدیک قابل مدح قرار پائے اس کی گواہی کوئی خاطی انسان کیا مسترد کر سکتا ہے۔

یہ اس گواہی کا تذکرہ ہے جو علی نے بچپنے سے شروع کی اور عمر بھر شاہد رہے، اتنا عظیم الشان مصدق رسول جس کو نہ صرف قابل اعتبار سمجھا گیا بلکہ باعث شرف و فضیلت بھی ہوا اس کی تنہا گواہی کیا اب بھی ناقص سمجھی جا سکتی ہے،

خیال یہ ہے کہ شاید حضرت ابوبکر اس شہادت کی عظمت کی طرف متوجہ نہ تھے اس لئے شہادت کو رد کر دیا اور حضرت فاطمہ کو فدک نہیں دیا اچھا فرض کیجئے کہ اس طرف متوجہ نہ تھے تو کیا انہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ان اہلبیت رسولؐ کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی اور رسول اللہ نے اپنی ردائے مبارک میں سب کو لے کر فرمایا اللہم ھؤلاء

شہادت کو کیونکر مسترد کر سکتا ہے۔

ایک شبہہ کا دفعیہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت شہادت جو قرآن میں ہے وہ عام ہے تمام مواقع و مقامات کے لئے یا کچھ مستثنیٰ بھی ہیں، یعنی جہاں بھی شہادت درپیش ہو وہاں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں یا ایک گواہ اور حلف کی ضرورت لازماً ہوگی یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو جہاں بھی شہادت لی جائے گی وہ اسی حکم قرآنی کے ماتحت اور حضرت ابوبکر نے فدک کے معاملہ میں ایسا کیا تو غلطی نہیں کی"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک آیت کا مفہوم عام ہے، البتہ اس میں خصوصیت پیدا کر دینے والے وہی مواقع و موارد ہو سکتے ہیں جہاں خدا و رسول کی جانب سے صریحی حکم اور نص موجود ہو،

چنانچہ علی اور فاطمہ اُن ہی لوگوں میں سے ہیں جن کی عصمت آیۂ تطہیر سے معلوم ہو چکی ہے آیۂ مباہلہ میں ان حضرات کے حجۃ خدا ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ جناب رسالتمآب نے انہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے نصارائے نجران پر حجت قائم کی، اس صورت میں جناب صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا کے دعوے کی تصدیق کرنے میں کونسا تامل

اتحادِ نفس نہ تھا۔ بلکہ کمالاتِ نفس میں شرکت تھی، لہٰذا جس طرح رسول کی شہادت کافی ہو سکتی ہے اسی طرح علی کی شہادت پر بھی فیصلہ ناطق ہوگا۔

حدیثیں دیکھئے تو اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے، جب قرآن علی کے ساتھ اور علی قرآن کے ساتھ ہیں تو ظاہر ہے کہ علی کی شہادت کو رد کرنا قرآن کی شہادت کو رد کرنے کے مرادف ہوگا، اور اسی طرح اُن سے روگردانی کرنا بمفاد حدیث رسول حق سے روگردانی ہوگی، اسلئے کہ حق تو اُدھر ہی جاتا ہے جدھر علی ابن ابیطالبؑ جاتے ہیں، اسی سے یہ امر واضح ہو گیا کہ علی ابن ابیطالب کا ارشاد کہ فدک ,, نحلہ،، ہے اور رسول نے فاطمہ کو دیدیا، حق قرار پائے گا۔ اور نا قابلِ رد ہوگا

آخری تینوں حدیثیں بھی فضائل و کمالاتِ علی کی علمبرداری کر رہی ہیں، حدیث باب حطہ بنی اسرائیل جس میں داخل ہونا اور علیحدہ رہنا ایمان و کفر کا معیار قرار دیا گیا ہے، یا حدیث سفینہ جس میں کشتیٔ نوح سے تشبیہ دیکر بتایا ہے کہ میرے اہلبیت سے تمسک کرنا دلیل نجات ہے اور اُن کی مخالفت باعث گمراہی، یا حدیث مواخاۃ جس سے علیؑ اور رسالت مآب کے درمیان شرکت کمال و فضائل ظاہر ہوتی ہے ان احادیث کی روشنی میں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی مسلمان حضرت علیؑ کی

علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے
فصل خلافۃ ابی بکر وما تبع فی خلافتہ میں تحریر فرمایا کہ "اخرج
الشیخان عن جابر قال قال رسول اللہ لو جاء مال البحرین
اعطیتک ھکذا وھکذا فلما جاء مال البحرین بعد وفاۃ
رسول اللہ قال ابو بکر من کان لہ عند رسول اللہ دین او عدۃ
فلیأتنا فجئتہ فاخبرتہ فقال خذ فاخذت فوجدتہا خمسمائۃ
فاعطانی الفا وخمسمائۃ"

بخاری و مسلم نے جابر سے روایت کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ
رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے مال آئے تو میں تمکو اتنا اتنا دونگا
آپ کی وفات کے بعد جب بحرین سے مال آیا تو حضرت ابو بکر نے اعلان
کرادیا کہ جس کا رسول اللہ پر قرض ہو یا وعدہ ہو وہ ہمارے پاس آ کے
لیلے چنانچہ میں گیا اور آنحضرت کے وعدہ کا حال بیان کیا، حضرت
ابو بکر نے اُس میں سے لے لینے کا حکم دیا میں نے ایک مرتبہ لیا تو
پانچسو آئے تو خود اٹھا کر ایک ہزار اور دیئے"

بخاری کے اسی باب کی شرح کرتے ہوئے، علامہ ابن حجر
عسقلانی فرماتے ہیں۔
"ھذا الخبر فیہ دلالۃ علی قبول خبر العدل من الصحابۃ ولو جر

ہونا چاہیئے؟ جب خداوند عالم مدعی کی صداقت پر خود گواہی دے تو اس کو رد کرنا خدا کو رد کرنا ہوگا۔

ناقہ کی بیع کے معاملہ میں ایک اعرابی نے آں حضرت سے جب نزاع کی تو خزیمہ ابن ثابت کی گواہی کو کیوں کافی سمجھا گیا؟ خزیمہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ ناقہ آپ ہی کا ہے اس لئے کہ مجھے آپ کے صدق اور عصمت کا علم ہے۔ اگر عصمت اور صداقت کا یقین نہ ہوتا تو خزیمہ کی تنہا گواہی کافی نہ ہوتی، مگر جناب رسالتمآب معصوم تھے اس لئے ایک ہی شہادت کافی ہو گئی، عصمت اور صداقت کا یقین مدعی پر اعتماد کا باعث ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ بخاری نے تحریر فرمایا ہے کہ جب بحرین کا مال حضرت ابوبکر کے پاس لایا گیا تو ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ تمام بکارے کہ رسول اللہ پر جس شخص کا قرض یا کچھ وعدہ ہو وہ ہمارے پاس آ کے لیجائے، جابر بیان فرماتے ہیں کہ میں ابوبکر کے پاس آیا اور میں نے بتایا کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے تو میں اس میں سے تم کو اتنا اتنا دوں گا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو وہ حضرت ابوبکر نے دے دیا۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ میمنیہ مصر)

دینا وہ عظیم گناہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" جو شخص میرے اوپر جھوٹ باندھے وہ اپنی جگہ آتش جہنم میں بنالے"

اس ہولناک وعید کے ہوتے ہوئے ہرگز جابر کے متعلق یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہو، یقیناً اگر جابر مذکورہ بالا روایت کی بنا پر اس بڑے جرم کا ارتکاب نہیں کرسکتے تھے تو علی و فاطمہ بدرجۂ اولی اس جرم پر اقدام نہیں کرسکتے، لہذا اس موقع پر حسن ظن سے کام نہ لینا اور گواہ و شاہد کی ضرورت سمجھنا کسی صحیح بنیاد پر مبنی نہیں سمجھا جائے گا۔

ازواج کے حجرے جناب رسالتمآب کی ملکیت تھے

قرآن مجید میں صاف مذکور ہے "یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم" مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے رسول کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہو، اگر وہ حجرے جناب رسالتمآب کے نہ تھے تو "بیوت النبی" کی لفظ قرآن میں کیوں آئی، اسی کی تائید مسند عبد اللہ ابن عاصم انصاری سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ"

ذلک نفعا لنفسہ لان ابا بکر لم یلتمس من جابر شاھدًا علی صحۃ دعواہ!!

یہ خبر دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ جو صحابہ عادل ہیں اُن کی خبر کو قبول کر لینا چاہیئے۔ اگرچہ وہ محض اُنکے نفع کے متعلق ہو۔ اس لئے کہ ابو بکر نے جابر سے اُن کے بیان پر کوئی شاہد طلب نہیں کیا۔"

(فتح الباری)

جس اصول پر ابو بکر کے لئے جائز تھا کہ وہ مسلمانوں کے مال میں سے حسب وعدہ رسولؐ جابر کو مال عطا فرمائیں اور اُن کے دعوے کی تصدیق کریں، اسی اصول پر جناب سیدہ اور علی ابن ابیطالب کی تصدیق بھی حضرت ابو بکر پر لازم تھی، بلکہ جابر سے بدرجہ اولی واجب تھی۔

اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ علی اور فاطمہ میں کوئی شرف و فضیلت سوائے صحبت رسولؐ کے شرف کے نہ تھی، جب بھی بغیر بینہ اور گواہ کے اُن کے دعوے کو قبول کر لینا چاہیئے تھا، اس لئے کہ خداوند عالم انہی کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ایک جگہ ارشاد ہوا وجعلناکم امۃ وسطا۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے جابر کے دعوے کی تصدیق اس لئے کی کہ رسولؐ کیطرف غلط طور پر کسی قول یا فعل کی نسبت

جس وقت آنحضرتؐ نے ہجرت کی اُس وقت ایک زمین خرید کی۔
اور وہاں آپ نے حجرے تعمیر کرائے تھے۔ اس وقت نہ ان حجروں میں
عائشہؓ تھیں، نہ حفصہؓ اور کوئی۔ بلکہ جس طرح عورتیں آپ کے عقد
میں آتی گئیں اسی طرح ایک ایک حجرہ سب کو ملتا رہا۔ اور وہ فلاں کا
حجرہ اور وہ فلاں کا حجرہ صرف اس لئے کہا جانے لگا کہ ایک
ایک عورت ہر ایک میں رہنے لگی تھی اور وہ اُسکے ساتھ منسوب ہو گیا
جیسا کہ دنیا میں قاعدہ ہے خود قرآن میں ارشاد ہے۔

"ولا تخرجوھن من بیوتھن"

ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ "ان کے گھروں" کی
لفظ محض اسلئے استعمال کی گئی کہ وہ ان میں رہتی ہوتی تھیں۔ ورنہ درحقیقت
اُن کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور نسبت دینے سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اُن کی
ملکیت ہو گئے۔ ورنہ اسی آیت میں خدا نے فرمایا کہ "ولا یخرجن الا ان
یاتین بفاحشۃ" وہ ان گھروں سے باہر نکالی جائیں مگر اُسوقت جب وہ
بدکاری کے جرم کا ارتکاب کریں۔

اگر مکان میں رہنا دلیل ملکیت ہوتا تو برا کام کرنے کے وقت کسیکو
اختیار نہ تھا کہ اُن کے گھروں سے انکو نکالدے مگر جبکہ یہ حکم بطور حد و تعزیر کے
دیا گیا تو ان آیات میں "بیوت" کی لفظ سے صرف "مسکن" مراد ہے

"میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان باغہائے جنت میں سے
ایک باغ ہے"

اگر جناب رسالت مآب کی ملکیت میں یہ حجرے نہ ہوتے تو بجائے
نبی کے بیت عائشہ یا بیوت زوجاتی وغیرہ کچھ استعمال ہوتا، مگر
محض اس لئے کہ وہ آپ کی ملکیت میں تھے "اپنے گھر سے" تعبیر کیا۔

طبری اور دیگر مورخین و ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے
وصیت فرمائی تھی کہ جب تم لوگ مجھ کو غسل و کفن دے چکو تو میرے
گھر میں مجھے دفن کرنا" (طبری)

مگر جس وقت انہی حجروں کی ملکیت کا دعوی ازواج کی جانب سے کیا گیا
تو بغیر کوئی شہادت اور بینہ طلب کئے ہوئے حضرت ابوبکر نے وہ سب عطا
فرما دیئے۔ سمجھ میں نہ آیا کہ ازواج نے دعوی کیا تو وہ بیچون و چرا
قبول کر لیا گیا اور جب سیدہ نے دعوی کیا تو اس وقت گواہ مانگے گئے
آخر ان کی ملکیت کیونکر تسلیم کر لی گئی اور بنت رسول کی ملکیت فدک کیوں
نہ تسلیم کی گئی، حالانکہ تاریخوں میں کہیں نہیں لکھا کہ جناب رسالتمآب نے
حجرے ازواج کو عطا فرمائے تھے، اور انہیں بطور تملیکات تقسیم کر دیا تھا بلکہ
یہ عورتیں حضرت کے گھروں میں اسی طرح رہتی تھیں جس طرح تمام دنیا کی عورتیں
اپنے اپنے شوہروں کے گھر۔ کوئی تملیکا ان کو حاصل نہ تھا۔

صدقۃ فغضبت فاطمۃ فھجرت ابابکر فلم تزل مھاجرۃ حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ستۃ اشھر کما جاء فی البخاری ومسلم وغیرھما۔

تاریخ وفاء الوفاء ص۱۵۷ جلد ۲

یعنی عام امت کا حق ہوتا ہے اس پر جناب فاطمہ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے حضرت ابوبکر کو ترک کر دیا اسی حالت پر اس وقت تک رہیں جب تک انھوں نے وفات پائی وہ بعد رسول چھ ماہ تک زندہ رہیں جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں کہا گیا

انھا رضی اللہ عنھا قالت لابی بکر من یرثک قال اھلی وولدی، فقالت فما لی لا ارث ابی فقال سمعت رسول اللہ یقول لا نورث فغضبت رض من ابی بکر وھجرتہ الی ان ماتت۔

سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص۳۹۹

جناب فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ کے بعد آپ کا کون وارث ہوگا انھوں نے کہا میرے اہل و عیال اور میری اولاد تو فرمایا کہ پھر میں اپنے باپ کی وارث کیوں نہوں ابوبکر نے کہا میں نے آنحضرت سے سنا ہے فرمایا انھوں نے کہ ہمارا وارث کوئی نہیں ہوتا، اس پر وہ ان سے ناراض ہوئیں اور اُن کو ترک کر دیا، یہاں تک کہ وفات پا گئیں۔

حدیث عروہ ابن زبیر میں جناب عائشہ نے فرمایا۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر کا ان حجروں کو ملکیت ازواج تسلیم کر لینا کسی ثبوت شرعی پر مبنی نہیں تھا اب یہ امر سوائے سیاست وقت کے اور کا ہے پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ جناب سیدہ کو فدک نہیں ملا اور ازواج نبی حجروں کی مالک بنا دی گئیں۔

فدک کے میراث ہونے کا دعویٰ

جس وقت جناب سیدہ کو اس بات سے مایوسی ہوئی کہ انکے دعوائے ہبہ کو تسلیم کیا جائے اُس وقت آپ نے فدک کے میراث ہونے کا دعویٰ فرمایا کہ اچھا اگر تمکو وہ تسلیم نہیں ہے تو فدک چونکہ میرے باپ کی ملکیت تھا لہذا مجھے وہ میراث میں ملنا چاہیئے۔ اس کے متعلق علامہ سمہودی نے لکھا ہے۔

ان فاطمۃ ابنۃ رسول اللہ	جناب فاطمہ زہرا دختر جناب
سألت ابا بکر بعد وفاۃ رسول	رسول خدا نے بعد حضرت کی وفات کے
اللہ ان یقسم لھا میراثھا	حضرت ابو بکر سے اپنی میراث کا
مما ترک رسول اللہ مما افاء اللہ	مطالبہ کیا، ابو بکر نے کہا رسول خدا نے
علیہ فقال لھا ابو بکر ان رسول	فرمایا ہے کہ ہم وارث نہیں بناتے
اللہ قال لا نورث ما ترکنا	جو کچھ چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ

تبغون ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون يا معاشر المسلمين ابتز ارث ابي. ابى الله الا ان ترث يا ابن ابي قحافة اباك ولا ارث ابي لقد جئت شيئا فريا كما رواها في بلاغات النسا.

سب ارشاد فرمائیں اور سلسلہ میں فرمایا کہ تم لوگ سمجھتے ہو۔ میرے لئے کوئی میراث نہیں ہے کیا جاہلیت کی رسم کو جاری کرنا چاہتے ہو خدا سے زیادہ کس کا فیصلہ بہتر ہے۔ اُن لوگوں کے لئے جو یقین کی صفت رکھتے ہوں، اے گروہ مسلمین مجھ سے میرے باپ کی میراث چھینی جاتی ہے کیا خدا یہی چاہتا ہے؟ کہ ابوبکر تم اپنے باپ کے وارث ہو اور میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں یہ تمہاری بہت شرمناک بات ہے

(ابن ابی الحدید معتزلی - جزو ۱۶ صفحہ ۲۵۲ مطبوعہ طہران سنہ ۱۳۰۲ھ)

فدک کے متعلق حضرت ابوبکر کی لکھی ہوئی دستاویز حضرت عمر نے چاک کر ڈالی

ان فاطمة جاءت الى ابي بكر وهو على المنبر فقالت يا ابا بكر

حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر کے پاس آئیں اور وہ منبر پر تھے فرمایا کہ

وفاطمة تطلب صدقة
رسول الله التي بالمدينة
وفدك وما بقي من خمس خيبر
فقال ابو بكر ان رسول الله قال
لا نورث ما تركناه صدقة
انما يأكل آل محمد في هذا
المال يعني مال الله ليس لهم ان
يزيدوا على المأكل
وفاء الوفاء جلد ۲

فاطمہ رسول اللہ کے اموال
طلب کرتی تھیں جو مدینہ اور فدک
اور خیبر کے خمس میں سے بچے تھے تو
ابوبکر نے کہا رسول اللہ نے فرمایا
کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا
جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے
لہذا اسی مال سے آل محمد بھی اپنے
کھانے بھر کا لے سکتے ہیں اس سے
زیادہ لینے کا حق نہیں ۔

عن ابي بكر الجوهري انه
لما بلغ فاطمة اجماع ابي بكر
على منعها فدك لاثت خمارها
واقبلت في لمة من حفدتها
ونساء قومها حتى دخلت
على ابي بكر وقالت فيها قالت
في خطبتها ثم انتم تزعمون
ان لا ارث لنا أفحكم الجاهلية

ابوبکر جوہری سے روایت ہے
کہ جب جناب فاطمہ زہرا کو معلوم ہوا
کہ حضرت ابوبکر نے فدک پر قبضہ
کرنے کا قطعی طے کر لیا ہے تو آپ
چادر اوڑھ کے اپنے کچھ اعزا اور اپنی
قوم کی کچھ عورتوں کے ساتھ ابوبکر
کے یہاں تشریف لے گئیں اور
وہ تمام باتیں جو آپ کے خطبہ میں ہیں

اب یہ چیز اہل اسلام کے سمجھنے کی ہے کہ پہلے تو میراث سے محروم کیا
پھر بعد میں اس حصے دینے کو تیار ہوئے اور لکھ دیا دونوں باتیں ایک ساتھ کیونکر
صحیح ہو سکتی ہیں۔ جب کہ وہ یہ بھی روایت کرتے تھے کہ رسول نے فرمایا ہے
"ہم وارث نہیں بناتے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا یہ حدیث ہی
گڑھی ہوئی تھی یا دستاویز غلط لکھی گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ جب حضرت عمر نے
دستاویز دیکھی تو وہ حدیث یاد بھی نہیں دلائی۔ کیا اہل اسلام کے پاس
اس کا کوئی حل موجود ہے؟

فدک کے میراث فاطمہ ہونے پر بحث

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

(۱) انی خفت الموالی من ورائی	اپنے بعد میں اپنے بنی عم سے
وکانت امرأتی عاقرا فهب لی	ڈرتا ہوں اس لئے کہ میری زوجہ
من لدنک ولیا یرثنی ویرث من	بے اولاد ہے، اے پروردگار
آل یعقوب واجعله رب رضیا	تو اپنی طرف سے مجھ کو ایک ولی
(※)	عنایت کر جو میرا اور اولاد یعقوب

کا وارث ہو اور تو اس کو پسندیدہ قرار دے۔

(۲) رب لا تذرنی فردا وانت	پروردگار تو مجھے اکیلا نہ چھوڑنا

في كتاب الله ان ترثك ابنتك
ولا ارث ابي فاستعبر ابوبكر
باكيا ثم نزل وكتب لها
بفدك ودخل عليه عمر
فقال ما هذا فقال كتاب
كتبت لفاطمة ميراثها من ابيها
قال فماذا تنفق على المسلمين
وقد حاربتك العرب كما ترى
ثم اخذ عمر الكتاب فشقه ـ

سیرہ حلبیہ جلد۳ ص۳۹۱ طبع ثانی

اے ابوبکر کیا قرآن میں یہ ہے
کہ تمہاری بیٹی تو تمہاری وارث
ہو گی اور میں اپنے باپ کی
وارث نہیں ہوں تو ابوبکر رونے
لگے منبر سے اتر کے ان کو فدک کی
دستاویز لکھدی، اتنے میں حضرت
عمر آگئے انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے
کہا کہ میں نے فاطمہ کی میراث کے لئے
ایک نوشتہ لکھدیا ہے جو انھوں نے
اپنے باپ سے پائی ہے، عمر نے
کہا تو پھر مسلمانوں پر کیا صرف
کروگے حالانکہ عرب تم سے جنگ کر رہے ہیں، اسکے بعد عمر نے
وہ دستاویز لے کر چاک کر ڈالی ـ

اس روایت کا یہ فقرہ کہ "میراثها من ابیها" ان کے
باپ کی میراث" بتاتا ہے کہ جناب فاطمہ کی یہ میراث تھی اور اس کو
ابوبکر نے تسلیم کیا ـ مگر باوجود اس کے انھوں نے اس میراث سے
محروم کر دیا ـ

منتخب کر لیا تھا "

(۲) " العلماء ورثة الانبیاء " علما انبیا کے وارث ہیں "

ان دونوں مقاموں پر صاف وراثت کتاب کا تذکرہ ہے ، اور دوسری جگہ پر " علما " کی لفظ استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ وراثت علم مراد ہے ۔

اسی طرح حضرت اگر اپنی دعا میں وارث علم اپنا طلب کرتے تو لامحالہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہوتا جس سے صاف طریقہ پر معلوم ہو سکتا کہ یہاں وراثت علمی کے لئے دعا فرما رہے ہیں ۔ مثلاً کہتے

" هب لی من لدنك وارثا فی علمی و نبوتی "

مجھ کو میرا وارث علم و نبوت عطا فرما "

اسی طرح " یرثنی فی علمی و یرث من آل یعقوب النبوۃ " ہوتا مذکورہ بالا استعمال قرآن ہمکو یہ بتاتا ہے کہ وراثت کی لفظ جہاں مطلقاً بلا قید و قرینہ استعمال ہو وہاں میراث کو میراث مال ہی حقیقت سمجھنا چاہیئے ، اسی لئے آیات مذکورۃ الصدر میں ہم وراثت مال ہی سمجھنے پر مجبور ہیں ، اب اگر وراثت علم مراد ہوگی تو لامحالہ وہ مجاز قرار دیجائیگی اور مجاز کے لئے جب تک کوئی ایسا قرینہ نہ موجود ہو جس کی وجہ سے ذہن معنی حقیقی کی طرف سے ہٹ سکے اسوقت تک اس لفظ کی مجازیت ناتمام رہے گی ، قرآن مجید ایسا کلام بلیغ کبھی اسقدر غلط طریقہ پر مجاز کا استعمال

خیر الوارثین۔ اور تو بہترین وارث ہے

(۳) ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ۔ مجھے اپنی جانب سے پاکیزہ نسل عطا کر۔

(۴) وورث سلیمان داؤد سلیمان داؤد کے وارث ہوئے

ان تمام آیات میں "وراثت" کی لفظ استعمال ہوئی ہے اور یہی آیات کو جناب سیدہ نے اپنے دعوائے وراثت میں پیش کیا تھا جب یہ عذر کیا گیا تھا کہ جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے کہ "نحن معاشر الانبیاء لا نورث"، لہذا آپ وارث نہیں ہوسکتیں۔

بنا بریں ہمکو دیکھنا ہے کہ یہ عذر کہاں تک صحیح تھا اور درحقیقت ارث یہاں کیا مراد ہے، ظاہر ہے کہ کلام عرب میں استعمال و تبادر ذہنی اس لفظ سے صرف میراث اموال کی جانب ہوتا ہے اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ "ارث" یا "میراث" مال ہی کے متعلق بولا جاتا ہے، اور اگر اور کسی طرح کی وراثت مراد ہوتی ہے تو اس کے محل استعمال میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہوتا ہے جس سے وہ معنی سمجھ میں آئیں۔ قرآن اور احادیث میں کئی مقام پر قرینہ کے ساتھ اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا"

ترجمہ: ارث کیا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے

کسی کو اپنی جانب سے کچھ خاص ذرائع سے علم عطا کرے۔ یہ دونوں باتیں وراثت سے کوئی ربط نہیں رکھتیں۔ ورنہ اگر علم و نبوت میراثاً لوگوں تک پہونچتا ہوتا تو تمام اولاد آدم عالم ہوتی اور نبی ہوتی یا اولاد حضرت ختمی مرتبت تو یقیناً نبی ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ جناب حسن البصری جب ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے تو کہتے تھے "رحم اللہ اخی زکریا ما کان علیہ من ورثۃ مالہ حین یقول فہب لی من لدنک"

خدا حضرت زکریا پر رحم فرمائے جب وہ دعا کر رہے تھے تو ان کا کوئی وارث مال نہ تھا۔ (تفسیر محمد ابن جریر طبری)

آیہ "وورث سلیمان داؤد" کی تفسیر میں فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔

اختلفوا فیہ فقال — وراثت سے کیا مراد ہے؟
الحسن المال کان النبوۃ — اس میں خلاف ہے۔ حسن نے
عطیۃ مبتدأۃ ولا تورث — کہا ہے کہ وراثت مال مراد ہے لیکن

(تفسیر رازی) جلد ۶ ص ۲۴۳ — نبوت تو وہ عطیہ ہے جو براہ راست ملتا ہے ورثہ نہیں

اس بحث سے یہ نتیجہ صاف طور سے نکل آیا کہ حضرت ابوبکر کو الزام سے بری کرنے کے لئے مذکورۃ الصدر آیات میں جو تاویل اہل اسلام کی طرف سے کی جاتی ہے وہ ایک بے سود کوشش ہے۔ ان آیات میں تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ صاحب کنز العمال کی روایت سے تو یہ

نہیں کرسکتا جو ہو تو مجاز مگر ہم اسے حقیقت بنا بریں ماننا پڑے گا کہ جو آیات جناب سیدہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے وہ وراثت مال کی تصریح کر رہی ہیں، یہی وجہ تھی کہ جناب زکریا نے ذریت اور نسل کا سوال کیا کہ وہ ان کے مال کی وارث ہو۔ یا انی خفت الموالی میں چونکہ بنی عم سے یہ خوف تھا کہ وہ ان کے اموال میں بیجا تصرف کرینگے اس لئے ذریت کی دعا کی تا کہ ان کے آغوش کی پروردہ انکے مال کو انہی چیزوں میں صرف کریں جو مشروع اور جائز ہوں۔

علامہ فخر رازی نے ہماری تائید اپنی اس عبارت میں صاف طور پر کی ہے۔ کہ "ان المراد بالمیراث فی الموضعین ھو وراثۃ المال وھذا قول ابن عباس والحسن وضحاک" ان دونوں مقاموں پر میراث سے مراد وراثت مال ہے یہی ابن عباس حسن ضحاک کا قول بھی ہے۔"

اور یہی بات صحابہ کے ذہن میں اسوقت آئی تھی جب "لا نورث" والی حدیث حضرت ابوبکر نے پڑھی تھی، وہاں وراثت مال کے علاوہ وراثت علم کسی نے بھی نہیں سمجھا اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ وراثت علم مراد ہو علم اور نبوت ان چیزوں میں سے ہی نہیں جو کسی کی طرف میراث کے ذریعے منتقل ہوں علم کسبی ہوتا ہے یا وہبی، وہبی کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم

جتنی اس طرح کی روایتیں ہیں جن میں حضرت فاطمہ کا ابوبکر کے
پاس میراث فدک لینے کے لئے آنا، اور علیؑ اور عباسؓ کا ابوبکر کے یہاں
تشریف لانا میراث کے لئے یا حضرت عمر کا صحابہ میں سے سات آدمیوں سے
اس بات پر گواہی لینا کہ رسول اللہ کا ترکہ صدقہ ہے ..... مذکور ہے وہ سب
یہ بتاتی ہیں کہ آیات میں کسی طرح کی تاویل نہیں کی جا سکتی، اور نہ ان سے
وراثت علم مراد ہے۔ ورنہ حضرت ابوبکر سب سے پہلے تاویل فرماتے۔
انھوں نے بجائے اس کے ایسی حدیث ارشاد فرمائی کہ جو اس سے پہلے
کسی نے نہیں سنی۔ جب تک دونوں متخاصمین زندہ رہے آیات کی صراحت
میں کبھی کلام نہیں کیا گیا۔ ان آیات میں تاویل تو اب کی ہے جب سے تفسیر
قرآن اپنی رائے کے مطابق بیان کرنے کا رواج اہل اسلام نے قائم کیا
اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر قرآن کے معانی کو ان تاویل کرنے والوں سے
بہتر سمجھتے تھے، اسی لئے انھوں نے حضرت علی کی پیش کردہ آیت کو تسلیم
کیا کہ ہاں یہ آیتیں وہی بیان کرتی ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں کہ انبیا اپنی اولاد کو
وارث بناتے ہیں، مگر رسول اللہ نے چونکہ ایک حدیث ارشاد فرمائی ہے
اس لئے یہ عموم آیت میں تخصیص پیدا کر دیتی ہے، حالانکہ تخصیص کا خیال
غلط تھا۔ اس لئے کہ وہ آیات بالخصوص انبیا ہی کے متعلق وارد تھیں
علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں آیہ اذ عرض علیہ بالعشی

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر خود بھی ان آیات میں تاویل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

عن ابی جعفر قال جاءت فاطمة الی ابی بکر تطلب میراثها وجاء عباس بن عبد المطلب یطلب میراثه وجاء معهما علی فقال ابوبکر قال رسول الله لا نورث ما ترکناه صدقة فقال علی ورث سلیمان داؤد وقال زکریا یرثنی ویرث من آل یعقوب قال ابوبکر هو هکذا وانت تعلم مثل ما اعلم فقال علی هذا کتاب الله ینطق فسکتوا وانصرفوا۔	ابوجعفر (امام محمد باقر علیہ السلام) نے فرمایا کہ فاطمہ حضرت ابوبکر کے پاس اپنی میراث مانگنے آئیں اور عباس ابن عبدالمطلب اپنی میراث مانگنے آئے، فاطمہ کے ساتھ حضرت علی بھی گئے تو ابوبکر نے کہا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے میراث ہم نہیں چھوڑتے جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ حضرت علی نے کہا کہ سلیمان تو داؤد کے وارث ہوئے تھے حضرت زکریا نے کہا تھا میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ ابوبکر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے تم بھی اتنا جانتے ہو جتنا میں جانتا ہوں علی نے کہا یہ تو قرآن میں ہے۔ یہ سنکر ساکت ہو گئے۔
منتخب کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ حیدرآباد سنہ ۱۳۱۲ھ۔	

قال الحسن یرثنی مالی   کہ یرث سے مراد مال کی وراثت ہے

(تفسیر معالم التنزیل سورۂ مریم) طبع مصر ۱۳۳۲ھ برحاشیہ لباب التاویل

ان روایات سے صریحاً ثابت معلوم ہوتی کہ وراثت سے وراثت مال ہی مراد ہو سکتی ہے، الا یہ کہ کوئی خاص قرینہ موجود ہو جس کی وجہ سے یہ معنی مراد نہ ہوں۔

ہمارے اس دعوے سے تمام مفسرین متفق ہیں کہ ان آیات میں وراثت مال ہی مراد ہے مگر علامہ ابن جریر طبری نے ایک روایت میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

حدثنی ابو کریب قال حدثنا جابر بن نوح عن اسمٰعیل عن ابی صالح قوله یرثنی ویرث من آل یعقوب یقول یرث مالی یرث من آل یعقوب النبوۃ۔

ابو کریب نے بیان کیا کہ مجھ سے جابر ابن نوح نے اسمٰعیل سے اور انھوں نے ابو صالح سے روایت کی ہے کہ "یرثنی" سے مراد وراثت مال ہے اور یرث من آل یعقوب سے مراد وراثت نبوت ہے۔

حالانکہ ابو صالح کے بیان میں یہ صریحی نقص موجود ہے کہ خداوند عالم کے ارشاد کو وہ سمجھے ہی نہیں ورنہ ان کے بیان میں "من آل یعقوب النبوۃ" کا

الصافنات الجیاد" کے تحت میں تحریر فرمایا ہے۔

وروی ان سلیمان غزا	روایت ہے کہ حضرت سلیمان
اهل دمشق ونصیبین فاصاب	علی نبینا وآلہ علیہ السلام نے اہل دمشق
الف فرس وقیل ورثها من	اور نصیبین سے جنگ کی اور ان کو ایک ہزار
ابیه واصابها ابوه من	گھوڑے ملے تھے بعض لوگوں نے کہا ہے
العمالقة ۔	کہ یہ ایک ہزار گھوڑے انہوں نے
(کشاف جلد ۳ ص ۱۲ طبع مصر بار دوم)	اپنے والد حضرت داؤد سے میراث

میں پائے تھے۔ اور اُن کو عمالقہ سے لئے تھے۔

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

وقیل اصابها ابوه من	کہا گیا ہے کہ ان گھوڑوں کو
العمالقة فورثها منه فاستعرضها	جناب داؤد نے عمالقہ سے پایا تھا
فلم تزل تعرض ۔۔۔	اور ان سے وراثتہً جناب سلیمان
الشمس وغفل عن العصر۔	تک پہنچے تو جناب سلیمان نے اُن

گھوڑوں کا ایک مرتبہ ملاحظہ کیا، گھوڑے برابر ان کے سامنے پیش کئے جاتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اور نماز عصر کا بھی خیال نہ آیا[1]

بغوی نے لکھا ہے۔

یرثنی ویرث من آل یعقوب	آیۃ کی تفسیر میں حسن نے کہا ہے

[1] روایت کا آخری جزو بھی عقل و نقل سے قابل قبول نہیں ہے

تاکہ وہ اموال حضرت زکریا کے وارث ہوتے۔ حالانکہ قبولیت دعا کیلئے یہ آیت موجود ہے کہ "انا نبشرك بغلام اسمه یحییٰ" اے زکریا ہم تمکو ایک فرزند یحییٰ کی بشارت دیتے ہیں۔

اس سوال کا جواب وہی ہو سکتا ہے جو اُس وقت دیا جائے جب وراثت سے وراثت نبوۃ مراد ہو آخر اس میں بھی تو یہی سوال پیدا ہوگا کہ کہاں وراثت نبوۃ حضرت یحییٰ کے ہاتھ آئی وہ بغیر وراثت نبی تھی، یہ اور بات ہے لیکن آپ اپنے باپ کے بعد زندہ رہ کر بصورت میراث مجازی طور پر بھی حامل نبوۃ ہوتے تو البتہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ اعتراض صحیح ہے۔ اور جب اُن کی زندگی ہی میں شہید کر ڈالے گئے تو لفظ وراثت میں جو بعد ۔۔ پائی جاتی ہے وہ کہاں رہی۔

ارث حضرت سلیمان ابن داود

"وورث سلیمان داؤد" میں وراثت مال ہی مراد ہوگی جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے تحریر فرمایا ہے، اس لئے کہ خدا ارشاد فرماتا ہے "واتیناه من کل شیء" ہم نے اُن کو ہر چیز میں سے حصہ عطا کیا، علم نبوۃ کی یہاں کوئی تخصیص نہیں ہے

فقرہ نہ آتا ۔ خداوند عالم اگر یہ ارشاد فرماتا کہ یرث من یعقوب تو ممکن تھا کہ وہاں نبوۃ ہی مراد لے لیجاتی۔ مگر ظاہر ہے کہ آل یعقوب فرمایا ہے اور آل یعقوب میں سب کے لئے نبوۃ ثابت نہیں تھی لا محالہ وراثت مال ہی مراد لینا پڑے گی۔ اور بفرض ایسا ہو بھی کہ وہاں نبوۃ ہی مراد ہو تو یہ کیسی صریح ہے کہ حضرت زکریا کا مقصود وراثت مال ہو اور یرث من آل یعقوب میں وراثت نبوۃ حالانکہ دعا کے ایک ہی سلسلہ میں دونوں فقرے موجود ہیں۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ آل یعقوب میں حضرت زکریا کے اعزا داخل ہیں۔ ان کو نبوۃ سے کیا تعلق اس لئے وراثت مال ہی مراد ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا کی دعا میں "واجعلہ رب رضیا" خدایا اس کو ایسا بنا جس سے تو خوش رہے۔ کا فقرہ بھی شامل ہے اگر وراثت نبوۃ یا علم مراد ہوتی تو حضرت زکریا کو خصوصیت سے اس دعا کی ضرورت ہی نہ ہوتی اس لئے کہ نبوت میں خود ہی رضائے الٰہی شامل ہوتی ہے پھر اس شرط کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وراثت مال ہی مراد ہو سکتی ہے۔ اب دعا کا یہ جملہ صحیح ہوا کہ اس کو ایسا بنا جو مال پا جائے تو مصرف میں صرف کرے جس سے تو خوش ہو سکے۔

ایک بات یہاں اور کہی جا سکتی ہے کہ حضرت زکریا کی زندگی ہی میں جناب یحییٰ قتل ہو گئے لہٰذا خداوند عالم نے ان کی دعا کہاں قبول کی

زندگی میں اُن کے وصی تھے اور نبی بھی تھے ۔ اسیطرح جناب داؤد کی زندگی میں حضرت سلیمان مرتبہ نبوت پر فائز تھے اس میں تعجب ہی کا ہے کا ۔ مگر وراثت مال اپنی جگہ باقی رہی اور وہ حضرت داؤد کے بعد جناب سلیمان کو ملی ۔ جو ہمارے دعوٰے کی صداقت پر بالفاظ صریح گواہی دے رہی ہے ۔

قرآن مجید اور میراث کے عمومی احکام

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ۔

"و للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون و للنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا "

مردوں کے لئے حصہ ہے اُن چیزوں میں سے جو اُن کے والدین اور قرابتدار چھوڑ جائیں ۔ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اُن چیزوں میں سے جو اُن کے والدین اور اقربا چھوڑ جائیں خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ یہ حصہ فرض کیا گیا ہے ۔

(۲) " یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین "

خدا تم پر فرض قرار دیتا ہے کہ مردوں کو دوہرا حصہ دو اور

اس لئے کہ حضرت سلیمان بنی اسرائیل پر اسی وقت نبی تھے، جب حضرت داؤد زندہ تھے، خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

"ففھمناھا سلیمان وکلا آتیناہ علما وحکما"
ہمنے سلیمان کو سب سمجھا دیا تھا اور ہم نے ان کو تمام علوم وحکم عطا کر دیئے تھے۔

ایک مقام پر حضرت سلیمان کے قول کی حکایت فرماتا ہے۔
انھوں نے کہا "یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر" اے گروہ مردم ہمکو خدا نے پرندوں کی بولیاں سکھائی ہیں"۔ یہ تمام امور حضرت داؤد کی زندگی ہی میں انھیں حاصل ہو چکے تھے۔ اسلئے نبوت کے میراث ملنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔

اسکے ثبوت میں ایک دوسری آیت نہایت صراحت سے موجود ہے ارشاد ہوتا ہے۔ "ولقد آتینا داود وسلیمان علما وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المؤمنین" ہم نے داؤد وسلیمان کو علم دیا اور دونوں نے کہا کہ اس خدا کی تعریف جس نے ہمکو اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی"۔

تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ دونوں باپ بیٹے تھے، باپ کی زندگی میں نبوت کیسے مل گئی، جس طرح حضرت ہارون جناب موسیٰ کی

حدیث "لانورث" میں حضرت ابوبکر کا تفرد

حدیث "لانورث" کے متعلق علامہ ابن حجر نے تصریح سے لکھا ہے کہ حدیث صرف حضرت ابوبکر کی زبانی سنی گئی۔ اور کسی نے بیان نہیں کی، چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اختلفوا فی میراث النبیؐ فما وجدوا عند احد من ذلک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہؐ یقول انا معاشر الانبیاء لانورث ما ترکنا صدقۃ"

اختلاف میراث نبی کے بارے میں تو کسی کے پاس اس کی نسبت کوئی اطلاع معلوم نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے سنا ہے رسولؐ اللہ کو کہتے ہوئے کہ ہم لوگ گروہ انبیاء وارث نہیں کرتے جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔"

(صواعق محرقہ ابن حجر صـ۲ فصل خامس)

تاریخ الخلفاء صـ۲۸ فصل خلافت ابوبکر میں مذکور ہے۔

اخرج ابو القاسم البغوی وابوبکر الشافعی فی فوائدہ وابن عساکر عن عائشۃ قالت اختلفوا فی میراثہ فما وجدوا عند احد من ذلک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ یقول انا

تمام امت اسلامیہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن کی یہ آیتیں میراث کے متعلق عام ہیں اور کسی کی اس میں تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ اگر کوئی ان آیات کے حکم سے مستثنی ہو سکتا ہے تو اسی وقت جب ایسی ہی صریح حدیث یا آیت موجود ہو جو اسے اس حکم سے خارج کر دے۔ نہ ایسے احادیث کے ذریعہ جو حکم قرآن کے بالکل مخالف ہوں۔ جیسے حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث "لا نورث"

ہم حضرت سلیمان کی وراثت اور حضرت یحیی کی وراثت کا حال سابق میں بیان کر چکے ہیں۔ جو نفی اس حدیث کی کہ انبیاء وارث نہیں بناتے" بلکہ یہ آیتیں اس حدیث کی تکذیب کرتی ہیں اور اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث اہل اسلام نے آج تک ایسی نہیں پیش کی جس سے جناب فاطمہ آیات مذکورہ بالا کے حکم سے خارج ہو سکیں۔

آیات نے نہایت تصریح سے بتایا کہ زکریا نے وارث بنایا اسی طرح حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو اپنا وارث قرار دیا، تو پھر جناب ختمی مرتبت کے لئے کیا وجہ کہ ان کا وارث نہ ہو۔

———→ ❖ ←———

جملۃ۔ قال رسول اللہ حجت ہوجاتی،
حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

بظاہر اُن کے اس فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ خبر واحد جو ظن کا فائدہ دیتی ہے حجت نہیں ہے اُن اصول مذہب کے مقابلہ میں جنکو قرآن کے اخذ کرنا ضروری اور واجب قرار دیا گیا ہے، چونکہ مسئلہ میراث انہی مسائل میں سے ہے جس کا عمومی حکم قرآن مجید میں موجود ہے اس لئے اسمیں سے کسی کو صرف خبر واحد کی بنا پر خارج نہیں کیا جا سکتا، جبتک کہ جناب رسالتمآب کی جانب سے کوئی ایسی حدیث متواتر و نص صریح نہ موجود ہو جس میں حضرت نے کسی کو مستثنیٰ کیا ہو،

اور اس روایت لا نورث کی حالت یہ ہے کہ صحابہ میں سے سوائے حضرت ابوبکر اور کسی نے روایت ہی نہیں کی جسطرح حضرت ابوہریرہ یہ دعویٰ کریں کہ میں نے جناب رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ آپ کہتے تھے، حضرت ابوبکر کا مکان ابوہریرہ کے لئے ہے یا وہ تمام مسلمانوں کا حق ہے تو ایسی روایت قابل قبول نہ ہوگی، اس لئے کہ اُن کے علاوہ اور کسی شخص کی شہادت اس حدیث کے بارے میں موجود نہیں ہے۔
بعینہٖ اسی طرح چونکہ حدیث "لا نورث" کے بارے میں سوائے حضرت ابوبکر کے دوسری کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اس لئے وہ قابل قبول

معاشر الانبیاء لا نورث" ابوالقاسم بغوی اور ابوبکر شافعی نے اپنے فوائد میں اور ابن عساکر نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ میراث رسول کے بارے میں خلاف ہوا تو کسی کو کچھ معلوم نہ تھا، حضرت ابوبکر نے فرمایا، میں نے سنا ہے رسول اللہ کو کہتے ہوئے کہ ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے "۔

منتخب کنز العمال باب خلافت ابوبکر میں بھی یہ واقعہ درج کیا گیا ہے حضرت عمر نے بھی یہ حدیث نہیں سنی تھی، بلکہ آپ حضرت ابوبکر سے روایت کیا کرتے تھے۔

(منتخب کنز العمال باب خلافت ابوبکر بر حاشیہ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۹۲)

ہر "قال النبی" کہنے والے کا اعتبار نہیں

امام ابن تیمیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

ان مجرد قول القائل قال	صرف کہنا کسی کا قال رسول
رسول اللہ لیس حجۃ باتفاق	اللہ حجت نہیں قرار دیا جا سکتا، اس پر
اهل العلم و لو كان حجة لكان	اہل علم کا اتفاق ہے، اگر ایسا ہوتا
كل حديث قال فيه واحد	تو ہر وہ حدیث جس کے بارے میں
من اهل السنة قال رسول الله	راویوں میں سے ایک بھی کہہ دیتا

کہ اُن حضرت کے نزدیک حضرت ابوبکر الزام سے بری نہ تھے
الزام کیا تھا؟ حضرت فاطمہ کو حاذ اسمہ قابل اعتبار نہ سمجھنا اور
فدک کی میراث پر ایک ایسی حدیث بیان کرنا جو کسی نے بھی
حضرت ابوبکر کے علاوہ نہ سنی ہو۔ یہی وہ باتیں تھیں جن پر
آپ نے غصہ میں آکر حضرت ابوبکر کو چھوڑ دیا اور اپنی نماز جنازہ
پڑھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ علامہ سمہودی لکھتے ہیں۔

ان فاطمة قالت لاسماء	فاطمہ نے اسماء سے کہا کہ جس وقت
اذا انا مت فغسلینی انت وعلی	میں انتقال کر جاؤں تو مجھے تم اور
ولا تدخلی علی احدا فلما توفیت	علی غسل دینا اور کسی کو نہ آنے دینا
جائت عائشة لتدخل فقالت	جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت
اسماء لا تدخلی فشکت الی ابی بکر	عائشہ آئیں تاکہ حجرہ میں داخل
وقالت ان هذه الخثعمیة تحول	ہوں اسماء نے کہا آپ جائیے وہ
بیننا وبین بنت رسول الله فجاء	حضرت ابوبکر کے یہاں جاکے شکایت
ابوبکر فوقف علی الباب فقال	کرنے لگیں کہ یہ خثعمیہ عورت ہم کو
یا اسماء ما حملک علی ان منعت	دختر رسول کے پاس جانے سے
ازواج النبی ان یدخلن علی	روکتی ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر آئے
ابنة رسول الله فقالت امرتنی	دروازہ پر کھڑے ہو کر پوچھنے لگے

نہیں ہو سکتی ۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ حضرت ابو بکر ایسے جلیل القدر بزرگ نے فرمایا ہے اس لئے وہ قابل تسلیم ہے تو یہ بھی قابل سماعت نہیں ہے اس لئے کہ یہ حدیث حضرت ابو بکر کے منہ سے اس وقت سنی گئی جب میراث فدک کا جھگڑا ان کے اور جناب سیدہ کے درمیان میں چھڑ چکا موقع نزاع پر اس طرح کی حدیث خود حضرت ابو بکر کی زبان سے بالکل ناکافی ہے ۔

حضرت ابو بکر جناب فاطمہ اور حضرت علیؑ کے نزدیک ناقابل اطمینان تھے

سابق میں وہ آیات جن سے توریث انبیاء پر امیر المومنین نے حضرت ابو بکر کے سامنے استدلال کیا ہے اور حضرت فاطمہ زہرا کا اپنی زندگی بھر مطالبہ میراث پر باقی رہنا ، بعطرح جناب سیدہ کا احتجاج حضرت ابو بکر کے سامنے ، اور جب کسی طرح فدک آپکو نہ دیا گیا تو حضرت ابو بکر سے ترک کلام حتی کہ آپ نے یہ بھی وصیت فرما دی کہ وہ آپ کی نماز جنازہ نہ پڑھنے پائیں جیسا کہ مورخ سمہودی نے لکھا ہے ۔

یہ تمام امور ایک منصف شخص کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں

اس کے علاوہ مالک ابن اوس کی وہ روایت بھی حضرت ابوبکر
کی روایت کی تکذیب کرتی ہے جس میں حضرت عمر نے یہ بیان کیا ہے
کہ علی اور عباس دونوں اس بات کے معتقد تھے کہ شیخین نے اُن پر
مظالم کئے ہیں اصل روایت یوں ہے ۔

اقبل عمر الی علی و العباس	حضرت عمر نے علی اور عباس سے
وقال لما توفی رسول اللہ قال	کہا کہ جب رسول اللہ نے وفات پائی
ابوبکر انا ولی رسول اللہ فجئتما	تو ابوبکر نے کہا میں خلیفہ رسول ہوں
تطلب میراثک من ابن اخیک	تو دونوں آدمی اُن کے پاس آئے
ویطلب ھذا میراث امرأتہ من	اور آپ تو اپنے بھتیجے کی میراث مانگتے تھے
ابیھا فقال ابوبکر قال	اور یہ اپنی زوجہ کی طرف سے اُن کے
رسول اللہ ص لا نورث ما	باپ کی میراث مانگتے تھے
ترکناہ صدقۃ فرأیتماہ	ابوبکر نے کہا آنحضرت نے فرمایا ہے
کاذبا آثما غادرا خائنا	کہ ہم وارث نہیں بناتے جو کچھ
واللہ یعلم انہ لصادق بار	چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے تو تم لوگ
راشد تابع للحق ثم توفی ابوبکر	اُن کو جھوٹا گنہگار اور دغاباز اور
وانا ولی رسول اللہ و ولی ابی بکر	خائن سمجھے حالانکہ خدا جانتا ہے
فرأیتمانی کاذبا آثما غادرا	کہ وہ نہایت نیک اور نیک رفتار

ان لا یدخل علیھا احد قال ابوبکر فاصنعی ما امرتک ثم انصرف وغسلھا علی و اسماء

کہ اے اسماء تم نے کیوں ازواج نبیؐ کو دختر رسولؐ کے پاس جانے سے منع کیا؟ اس نے کہا کہ انھوں نے مجھے حکم دیا تھا یہ سن کے کہنے لگے

اچھا تو جو وہ کہہ گئی ہیں وہی کرو یہ کہہ کے واپس گئے اور جناب سیّدہ کو اسماء اور حضرت علی نے غسل دیا۔

ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ بلاذری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد جناب سیّدہ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا اور ابوبکر و عمر کو ان کی موت کا حال بھی نہ معلوم ہوا، یہ امر اس قدر واضح اور مشہور ہے کہ اس پر شواہد پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

انھوں نے لکھا ہے کہ ابوجعفر نقیب نحوی ابن ابی البصری کی روایت ہے کہ علی اور فاطمہ اور عباس ہمیشہ بیک زبان حدیث نحن معاشر الانبیاء کی تکذیب کرتے رہے، وہ کہا کرتے تھے کہ یہ گڑھی ہوئی حدیث ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جناب رسالتمآبؐ یہ حکم دوسروں سے سنا دیتے ہیں سنا، کیا وہ ہم سے اس حکم کو پوشیدہ کرتے تھے، حالانکہ ہم ان کے وارث تھے، سب سے پہلے اس حکم کو ہم تک پہونچنا چاہیے تھا"

(شرح نہج البلاغہ جزو ۱۶ ص...)

بعولہ فانا اعولہ	(رسول کی میراث کسی کو نہیں مل سکتی)
شرح نہج البلاغہ جزو ۱۶ صفحہ ۲۹۶	ہاں جو لوگ رسالتمآب کے زیر نفقہ
طبع ۔ طہران	تھے میں بھی نفقہ دونگا ۔
(قول عمر حدثنی ابو بکر انہ	(حضرت عمر کہتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر
سمع النبی یقول ان النبی لا یورث	نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ
وانما میراثہ فی المسلمین والمساکین	کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی وارث
(کنز العمال باب خلافۃ الصدیق بحوالہ	نہیں بنا تا اس کی میراث فقراء و مساکین
مسند احمد ابن حنبل صفحہ ۱۷۱ جلد ۲)	کے لئے ہے ۔

ان دونوں روایتوں میں " ما ترکناہ صدقہ " کا فقرہ نہیں ہے بلکہ صرف اتنا ہے کہ " النبی لا یورث " اور " من کان النبی یعولہ " اور حضرت عمر کا یہ قول کہ اُن کی میراث فقراء و مساکین کے لیئے ہے "۔ دونوں فقرے محض ان حضرات کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریث کی نفی سے یہ لوگ سمجھے ہیں کہ اُن کی میراث صدقہ ہوتی ہے ۔ حالانکہ نفی توریث خصوصی طور سے ترکہ نبی کو صدقہ نہیں بنا سکتی کیونکہ ممکن ہے کہ نفی توریث کے معنی یہ ہوں کہ انبیاء کچھ دولت چھوڑتے ہی نہیں تا کہ وہ میراث میں کسی کو ملے نہ یہ کہ وہ اگر کچھ چھوڑیں بھی تو اُن کے وارث کو نہیں دیا جائے ۔ اور حقیقۃ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یہاں یہی صورت تھی کہ انھوں نے کچھ چھوڑا ہی نہ تھا

خائنا۔ (صحیح مسلم باب ما یعمر عنہ النبی الذی ریوجعت علیہ بقتال جلد ۲ صـ۹۱ دہلی مطبع مجتبائی۔ دیکھو آتی تحریرنہ باب خلافت ابوبکر صـ۲۲۳ مصر طبع اول)

اور تابع حق تھے، وہ جب مر گئے تو میں حاکم ہوں رسول کیطرف سے بھی اور ابوبکر کی طرف سے بھی اور اب تم لوگ مجھ کو کاذب آثم غادر و خائن سمجھتے ہو۔

اس روایت میں کاذب وغیرہ جو الفاظ آخر میں کہے گئے ہیں وہ صاف یہ بتاتے ہیں کہ حدیث "لانورث" بالکل غلط اور جھوٹی حدیث ہے جس کو رسول اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

روایت نفی میراث کے الفاظ پر بحث

کنز العمال اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی میں جو روایتیں مذکور ہیں ان میں تو "ما ترکناہ صدقہ" کا فقرہ بھی مذکور نہیں ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں۔

ان فاطمۃ طلبت فدك من ابی بكر فقال انی سمعت رسول الله يقول ان النبی لا يورث من كان النبی

فاطمہ نے فدک ابوبکر سے مانگا انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ کو سنا ہے فرماتے تھے کہ نبی کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے، لہذا

جناب فاطمہ زہرا کی اذیت رسانی کو بھی شمار فرمائیں گے؟ جناب رسالتمآب تو فرما چکے ہیں کہ

"ان اللہ یغضب لغضب فاطمۃ و یرضیٰ لرضا ھا"

"خدا فاطمہ کے غضب سے غضبناک ہوتا ہے، اور اُن کی خوشنودی سے خوش ہوتا ہے۔"

سابق میں جو روایتیں ذکر کی گئی ہیں، اُن میں تصریح سے یہ باتیں موجود ہیں کہ حضرت ابوبکر کے گواہ طلب کرنے یا حدیث "لا نورث" بیان کرنے پر حضرت فاطمہ کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ نے عمر بھر اُن سے ملنا پسند نہ کیا حتیٰ کہ جنازہ پر نماز پڑھنے کو اور شرکت جنازہ کو بھی منع فرما دیا۔

معلوم ہوا کہ جناب سیدہ کا یہ غصہ حضرت ابوبکر کے لئے بقول ابن تیمیہ سفارش بخشش کا محتاج ہے۔

"حدیث نفی ارث پر درایت کے اعتبار سے بحث"

امام فخر الدین رازی تو ایک عجیب و غریب مفسر ہیں آپ کو جب بھی اپنے خلفاء کی دادرسی کرنا ہوتی ہے تو وہاں آپ کی تحریر کا انداز ہی بدل جاتا ہے۔ "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل

اس لئے کہ کچھ موال آپ نے اپنی زندگی ہی میں وقف کر دئے تھے جیسے وہ باغات وغیرہ جو اموال بنی نضیر سے تھے اور کچھ آپ نے خاص خاص اشخاص کو ہبہ کر دئے تھے جیسے فدک جناب فاطمہ کو مطابق شہادت جناب امیر علیہ السلام و ام ایمن، لہذا آپ کا کوئی متروکہ باقی نہ تھا۔ جو میراث میں ملے، لیکن اگر یہ شہادت تسلیم نہ کی گئی اور باقی رہا آپ کا کوئی متروکہ تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اُن کے ورثہ کو نہ ملے۔

صحابہ معصوم نہیں تھے۔

شیخ اسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ جلد دوم ص۲۹ میں ارشاد فرمایا ہے۔

"ان القوم لیسوا معصومین بل هم مع کونهم اولیاء الله ومن اهل الجنة لهم ذنوب یغفرالله لهم"۔

صحابہ معصوم نہیں تھے بلکہ باوجود اولیاء اللہ اور اہل جنت ہونیکے بھی انکے لئے گناہ موجود تھے جن کو خدا بخش دے گا۔"

ابن تیمیہ نے صحابہ کو ایک عجیب مشکل میں ڈالدیا، انکی مغفرت کے متعلق جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے وہ اُن کو کہنے کا کوئی حق ہی نہیں اسلئے کہ وہ تو خدا کے اختیار کی بات ہے بخشے یا نہ بخشے اس میں ابن تیمیہ کا فتوی کام نہیں دے سکتا۔ البتہ یہ بیشک معلوم ہوا کہ انکے نزدیک ان لوگوں سے گناہ سرزد ہوئے تھے۔ کیا علامہ ابن تیمیہ منجملا شیٔ گناہ ہونکے

جناب سیدہ کی جانب سے ہوا ہے۔ درحقیقت یہ خلاف تو جناب سیدہ نے خود فرمایا اور اس آیت کو پیش فرماتے ہوئے اس کے عموم سے اپنے وارث ہونے پر استدلال کیا، اسکے علاوہ خود حضرت علی اور جناب عباس اور ازواج اور صاحبان قرابت رسول سب نے اس حدیث "ما ترکناہ صدقہ" کے مقابلہ میں قرآن مجید کے وہ آیات پیش کئے جن میں مورثیت حضرت داؤد و زکریا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

شیعوں نے تو صرف یہ کیا کہ اُن کا مذہب چونکہ مذہب اہلبیت ہے لہذا ابو بکر کی اس حدیث کو وہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوئے، ورنہ خلاف تو درحقیقت خود اقربائے رسول کی جانب سے ہوا، جو قرآن مجید کو یقیناً اُن مجتہدین سے بہتر سمجھتے تھے جن کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء وارث نہیں بناتے:

حدیث نفی ارث ارشاد حضرت ابو بکر

موصوف نے اسی آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔

ان للمحتاج الی ہذہ المسئلۃ ما	اس مسئلہ کو زیادہ جاننے کی
کان الا فاطمۃ و علی و العباس	احتیاج تو فاطمہ اور علی و عباس ہی
وھؤلاء کانوا من اکابر الزھاد	کو تھی جو بڑے ...... زاہد و علما

حظ الانثیین" کی تفسیر فرماتے ہوئے آپ نے لکھا ہے۔

ان مذهب اکثر المجتهدین ان الانبیاء لا یورثون والشیعة خالفوا فیه روی ان فاطمة لما طلبت المیراث ومنعوها عنه واحتجوا علیها بقوله نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة فعند هذا احتجت فاطمة بعموم قوله تعالی للذکر مثل حظ الانثیین وکانها اشارت الی ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصه بخبر الواحد۔

تفسیر رازی جلد ۳ ص ۲۳
(طبع مصر)

اکثر مجتہدین کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء وارث نہیں بناتے اور شیعوں نے اس بارے میں خلاف کیا ہے اسی کے متعلق روایت ہے کہ جناب فاطمہ نے جب میراث طلب کی اور ان کو نہیں دی گئی اور ان پر دلیل یہ قائم کی کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے اور جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے تو اس موقع پر جناب فاطمہ نے آیہ للذکر مثل حظ الانثیین پیش فرماتے ہوئے گویا اشارہ اس بات کی طرف کیا تھا کہ عموم قرآنی کی تخصیص خبر واحد کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

امام رازی کو یہ بھی خبر نہیں کہ یا خلافت شیعوں نے کیا ہے یا خود

دوسرے مقام پر ارشاد ہے

"وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم"

اے رسول ہم نے تمہارے پاس ذکر کو نازل کیا ہے تاکہ تم اسکو لوگوں سے بیان کرو۔"

اور ازیں قبیل آیات ہیں جن کا اقتضاء یہ ہے کہ اگر علی و فاطمہ و عباس اور دیگر اقربائے رسول کو میراث نہ ملنے کا حکم خدا کی طرف سے آیا تھا تو اسے رسول کو ان لوگوں سے ضرور بیان کر دینا چاہیے تھا اور اس تبلیغ حکم کی تاخیر آں حضرتؐ کے لئے جائز نہ تھی، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ بانیٔ اسلام ایسے اہم مسئلہ کو جو انکے ورثہ سے متعلق ہو نہ بیان فرماتے جس کی وجہ سے یہ اختلاف واقع ہوا، کیا یہ حکم بیان کرنا رسولؐ پر واجب نہ تھا یا آنحضرت نے عمداً لوگوں کو ضلالت و گمراہی میں چھوڑ دیا اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی تھی تو جناب رسالتمآب پر ایک عظیم الشان اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے وارثوں کو بھی تک نہ بتایا کہ وہ وارث ہونگے یا نہیں، حالانکہ عقل اسکو کسی طرح تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے کہ حضرت نے نہ بتایا ہو اور یہ پوشیدہ راز رکھا ہو تبلیغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ منظر عام پر بیان کی جائے تاکہ ہر شخص اسکو سن کر شہادت دے سکے۔ اور حکم پر اکثر اشخاص مطلع ہو سکیں

والعلماء واهل الدين واما ابو بكر فانه ما كان محتاجا الى معرفة هذه المسألة البتة لانه ما كان ممن يخطر بباله انه يرث من الرسول فكيف يليق بالرسول ان يبلغ هذه المسألة الى من لا ... ولا يبلغها الى من له الى معرفتها اشد الحاجة۔

(تفسیر رازی جلد ۲ صفحہ ۲۲)

وصاحبان دین میں تھے اور ابوبکر تو ان کو خود اس مسئلے کی ہی نہیں تھی کہ ان کو اس کی طرف احتیاج ہوتی کیونکہ ان کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ وارث رسول ہوں گے لہذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس مسئلہ کی تبلیغ حضور اکرم نے اس سے کی جسکو ضرورت ہی نہ تھی اور ان لوگوں کو نہ بتایا جن کو جاننے کی شدید ضرورت تھی۔

فخر رازی کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید تو بندوں کیلئے اوامر و نواہی بیان کرنے ہی کے لئے آیا ہے اور رسول کی بعثت کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کو حرام و حلال کی تعلیم کرے جیسا کہ ارشاد ہے

فاتقوا الله يا اولی الالباب الذين امنوا قد انزلنا اليكم ذكرا رسولا يتلوا عليكم ايات الله بينات

اے صاحبان عقل جو ایمان لائے ہو ہم نے تمہاری طرف ایک یاد دلانیوالا رسول بھیجا ہے جو تمہارے سامنے کھلی آیات کی تلاوت کرتا ہے

نہیں بیان کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ در بارہ ارث ان اہلبیت کا
کوئی خاص حکم نہ تھا۔ لہذا یہ لوگ رسول اللہ کے وارث قرار پائینگے
جس طرح اور لوگ اپنے مورثوں کی میراث پاتے ہیں۔

حدیث قدم توریث پر جو حضرت عمر و ابوبکر کی بیان کردہ ہے
مذکورہ بالا اعتراض بدرجہ اولی پڑے گا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ
محض اس وقت کے غلبہ سے فائدہ حاصل کرسکے ورنہ انھیں کوئی حق
سلب میراث کا نہ تھا۔

دنیا کے تمام لوگ تاریخ و اخبار جمع کرنے کیطرف ہمیشہ سے مختلف
عنوانات سے متوجہ رہے ہیں۔ خصوصًا مذاہب کی تاریخ اہل مذہب کے
نزدیک جمع کرنا لازم تھا۔ اسی سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات
اور خصوصیات کو بھی محفوظ کیا گیا ہے۔ اسی طرح جناب رسالتمآب کے
حالات کو بھی اہل اسلام نے جمع کیا ہے۔ اور اس بارے میں انکو
ایک خاص اہتمام رہا ہے۔

یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ جناب آدم سے اسوقت تک تمام انبیا اپنے
قریب ترین رشتہ داروں کو وارث قرار دیتے رہے۔

تاریخ انبیاء اٹھا کے دیکھئے تو کہیں بھی انبیا کا یہ طریقہ
نہیں ملتا کہ وہ اپنے اموال کا کسیکو وارث نہ بناتے ہوں۔ اور نہ یہ معلوم

ٹھہری اتفاقات کی وجہ سے اگر اس کا اظہار کسی خاص شخص کے ذریعے ہو جائے تو وہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، خصوصاً جبکہ وہ شخص غیر متعلق ہو۔

اگر حضرت ابوبکر کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حاکم ہوتا تو کیا صرف حضرت ابوبکر سے اس حکم کا بیان کر دینا حجت قاطعہ قرار دیا جاتا اور جناب رسالتمآب کا حدیث "ما ترکناہ صدقہ" کو حضرت ابوبکر سے بیان کر دینا کافی سمجھا جاتا؟ نہیں، اس لئے کہ ان کے علاوہ کوئی حاکم ہوتا تو کسی کو یہ وقت تھی کہ وہ اس خبر کو خبر واحد غیر معصوم و غیر منصوص سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا تھا اس لئے وہ اس پر عمل نہ کرتا۔ اب جبکہ ورثہ تو وہ مستحق انکار ہی کر رہے تھے، علاوہ اس کے وہ لوگ خود بھی اسکو حجت نہ سمجھتے تھے اسلئے خبر واحد غیر منصوص ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث کوئی فائدہ نہیں دیتی اور حضرت ابوبکر ظاہر بھی کرتے تو وہ بیکار ہوتا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ جناب ختمی مرتبت کو معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر ان کے بعد خلیفہ ہوں گے، اس لئے آپ نے اپنے ترکہ میں میراث قرار نہ دیئے جانے کا حکم ان سے بیان فرما دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت کو یہ بھی تو معلوم تھا کہ اسی سلسلہ میں ابوبکر و ورثائے رسالتمآب میں تنازع واقع ہوگا اسلئے ضروری تھا کہ ان لوگوں سے عدم ارث کا حکم بیان فرما دیتے لیکن

ہوتا ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت داؤد کے اموال بجائے حضرات
ان کے ورثہ کے بیت المال میں داخل کر دیئے گئے ہوں یہ
بات کسی طرح عقل میں نہیں آ سکتی کہ عدم توریث انبیاء کا حکم دنیا سے
پوشیدہ رہے۔ اور وہ اس وقت ظاہر ہو جب حضرت حضرت ابوبکر کی
خلافت درپیش ہو۔ دنیا کے ارباب مذاہب میں سے کوئی تو ہوتا
حالانکہ تاریخ مذاہب اس بارے میں بالکل مخالف نظائر پیش کرتی ہے
یہ ایک عجیب بات ہے جو حضرت حضرت ابوبکر کی زندگی کا کارنامہ
سمجھی جانے کی اہل ہیں۔

جناب فاطمہ زہرا نے ابوبکر کو
قبول نہیں فرمایا

اہل سنت کی تمام معتبر کتب جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اس امر پر متفق
ہیں کہ جناب سیدہ نے حضرت ابوبکر کی اس روایت کو قبول فرمانا تو
درکنار بلکہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئیں اور اپنے جنازہ پر آنے سے
بھی روک دیا۔
جیسے بیان کیا گیا کہ جب مطالبہ جاری رہا لیکن آپ نے اپنا نکتہ کہ مطالبہ

کیلئے آئیں اور کبھی حضرت عباسؓ کے ہمراہ آئیں اور اپنی میراث فدک کا مطالبہ کیا، اور روایت ابوبکر کے انکار پر آپ نے اصرار کیا ورنہ ناراض ہونے کے کیا معنی؟

علامہ فخر رازی نے تحریر فرمایا ہے کہ "انا لا نسلم انها اصرت علی للمطالبة بعد ان روی ابوبکر ذالك وانما طالبت بالميراث قبل استماع الحديث وذلك لا يقدح في عصمتها"

"ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے حضرت ابوبکر کی اس روایت کے بعد میراث کا مطالبہ کیا ہو، ہاں انھوں نے قبل حدیث سننے کے مطالبہ میراث کیا اور یہ انکی عصمت میں قادح نہیں ہے۔"

یہ بھی کھلی ہوئی دھاندلی ہے کہ روایات متواترہ جو سابق میں نقل کیے گئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ نے اس روایت کو سنکر وراثت انبیاء اور خود حضرت ابوبکر کی وراثت سے تمسک کر کے احتجاج کیا ہے پھر بھی امام رازی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مطالبہ بعد روایت سننے کے ہوا ہے۔ ہاں یہ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ انکی خاموشی بعد میں صرف اسلئے ہو گئی کہ حضرت ابوبکر کو اسوقت سلطنت مل گئی تھی، اور وہ بے بس تھیں، ورنہ یہ کہ اپنی غلطی پر مطلع ہو کر خاموش ہوئیں "عیا فا باللہ" امام رازی بتائیں گے کہ کتب صحاح وغیرہ میں یہ کیوں درج ہے

ہوتا ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت داؤد کے اموال بجائے حضرت یحییٰ
ان کے ورثہ کے بیت المال میں داخل کر دیئے گئے ہوں۔ یہ
بات کسی طرح عقل میں نہیں آسکتی کہ عدم توریث انبیاء کا علم دنیا سے
پوشیدہ رہے۔ اور وہ اس وقت ظاہر ہو جب صرف حضرت ابوبکر کی
خلافت در پیش ہو، دنیا کے ارباب مذاہب میں سے کوئی تو اسے جانتا
حالانکہ تاریخ مذاہب اس بارے میں بالکل مخالف شہادتیں پیش کرتی ہے
یہ ایک عجیب بات ہے جو صرف حضرت ابوبکر کی زندگی کا کارنامہ
سمجھی جائے گی اور بس۔

جناب فاطمہ زہرا نے روایت ابوبکر کو
قبول نہیں فرمایا

اہل سنت کی تمام معتبرہ کتب جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے اس امر پر شاہد
ہیں کہ جناب سیدہ نے حضرت ابوبکر کی اس روایت کو قبول فرمانا تو
در کنار بلکہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہو کر انکو اپنے جنازہ پر آنے سے
بھی روک دیا۔
ہمنے بیان کیا کہ آپکا مطالبہ برابر رہا کبھی آپنے تنہا فدک کا مطالبہ

كان ترك النكير على المتظلمين
والمحتجين عليهما والمطالبين
لهما يعني عليا وفاطمة والعباس
دليلا على صدق دعواهم
واستحسان مقالتهم ولا سيما
وقد طالت المناجاة وكثرت
المراجعة والملاحاة وظهرت
الشكية واشتدت الموجدة وقد
بلغ ذلك من فاطمة حتى انها
اوصت ان لا يصلي عليها ابو بكر
ولقد قالت له حين اتته
طالبة بحقها ومحتجة لرهطها
من يرثك يا ابا بكر اذا مت
قال اهلي وولدي قالت فما
بالنا لا نرث النبي صلعم فلما منعها
ميراثها وبخسها حقها واعتل
عليها وجاحت النصفة

ترک اعتراض دلیل صداقت ہوگا، تو
ستم رسیدہ اور حجت لانے والے اور مطالبہ کرنیوالوں
یعنی علی اور فاطمہ و عباس پر اعتراض نہ کرنا
ان لوگوں کے دعوے صداقت و حسن
قول پر دلیل ہوگا، خصوصاً جبکہ ان
لوگوں کی جانب سے گفتگو اور بار بار
دعوی کرنے اور شکایت و رنج و غصہ
کی یہاں تک طول ہو جانے کہ جناب فاطمہ
وصیت کر دی کہ ابو بکر ان کی میت پر
نماز نہ پڑھیں، اور جب وہ مطالبہ حق
کے لئے آئی تھیں تو ابو بکر سے یہ کہا
تھا کہ جب تم مرو گے تو تمہارا وارث
کون ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ میرے
اہل و عیال اور میری اولاد ہوگی
تو کہا کہ ہم میں اپنے باپ حضرت رسالتمآب
کی وارث کیوں نہیں ہوتی؟ مگر
جب انہوں نے میراث نہیں دی

اذن کیا تو دونوں کی صداقت برابر ہوگئی اور اس ترک اعتراض کی کوئی ترجیح حاصل نہ ہوئی۔ اس صورت میں خدا کے اصل حکم کی طرف رجوع لازم ہوگی جو میراث کے بارے میں ہے جو ہمارے اور تمہارے اوپر واجب ہے۔

مقصود یہ ہے کہ خدا ارشاد فرماتا ہے "وما اختلفتم فیہ فحکمہ الی اللہ" جس چیز میں بھی اختلاف ہو اسکا فیصلہ خدا اور قرآن کی جانب راجع ہے۔

لہذا چونکہ میراث کا حکم عام اور حضرت سلیمان کی وراثت و حضرت زکریا کی دعائے فرزند خاص طور پر میراث انبیاء کا حکم بیان کرنے کیلئے قرآن میں آیات موجود ہیں اسلئے یہ فیصلہ ناطق رہے گا۔

اسکے علاوہ خود حضرت علی نے اپنی خلافت ظاہری کے زمانہ میں عثمان ابن حنیف کو کو فست بانصرہ میں لکھا تھا کہ "بلی کانت فی ایدینا فدک فشحت علیھا الخ" (جس کا تذکرہ سابق میں ہو چکا ہے) اور اسپر کسی نے اعتراض نہیں کیا نہ انکار کیا، اس سے ابوبکر کی روایت کی تکذیب علی ابن ابیطالب کی جانب سے ثابت ہے۔

——— ٭٭٭ ———

یا ابت اقسمت علیک الا سلمتہ له۔
کنز العمال باب خلافت صدیق برحاشیہ مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱

انھوں نے کہا کہ جس چیز کو ابو بکر نے اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا میں بھی نہیں ہٹاؤنگا۔ اسکے بعد جب عثمان خلیفہ ہوئے تو پھر ان کو سُننے ان کے سامنے نزاع کی تو وہ ساکت رہے اور اپنا سر جھکا لیا، ابن عباس کہتے ہیں میں ڈرا کہیں میرے باپ عباس اس فدک کو لے نہ لیں تو میں نے اپنے باپ کے دونوں شانوں پر ہاتھ مار کے کہا میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ اسے انھیں کے سپرد کر دیجئے۔

اس خبر سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) میراث رسولؐ کے متعلق ہمیشہ مطالبہ رہا اور اسکے متعلق علی و عباس میں نزاع ہوتی رہی۔

(۲) روایت کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی و عباس بلکہ خود ابن عباس جو اس وقت موجود تھے انھوں نے بھی حدیث ابو بکر کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ حضرت عثمان نے بھی قبول نہیں فرمایا۔ ورنہ کیونکر ممکن تھا کہ حضرت عثمان رسولؐ کی اور حضرت ابو بکر و عمر کی مخالفت کرتے، اور ترکہ کو عباس و علی کے سپرد کر دیتے، یا کیونکر گوارا کر لیتے کہ مسلمانوں کو نقصان ہو، ان کو بھی موقع تھا کہ وہی عذر کر دیتے جو ابو بکر و عمر نے کیا

درحقیقت یہ ایک عجیب بات ہے اسلئے کہ اس مسئلہ کے متعلق جس قدر احادیث و اخبار ہیں اُن سب میں تصریح ہے اس امر کی کہ جناب سیدہ نے پہلے فدک کے "نحلہ" اور اپنے پدر بزرگوار کا عطیہ ہونے کا دعوٰی کیا۔ جب وہ قابل قبول نہ ٹھہرا تو تقسیم میراث کا دعوٰی کیا، اس صراحت کے بعد ایسی لایعنی تاویلوں کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

سہم ذوی القربیٰ اور حضرت ابوبکر و عمر

نص قرآنی ہے کہ "واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ" تمکو معلوم ہونا چاہیئے کہ تم جو کچھ مال غنیمت پاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول و صاحبان قرابت کا ہے۔ مگر جب جناب سیدہ نے دعوٰی کیا تو وہ بھی نہیں دیا گیا۔

عن انس بن مالک ان فاطمہؑ	انس ابن مالک سے روایت ہے
اتت ابابکر فقالت لقد علمت	کہ حضرت فاطمہ ابوبکر کے پاس آئیں
الذی ظلمتنا عنہ اھل البیت	اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم
من الصدقات وما افاء اللہ	لوگوں نے ہم اہلبیت سے صدقات

لہذا اس کی خبر بھی بتاتی ہے کہ فاطمہ جناب و عباس کو میراث سے محروم کرنا نص سے ثابت، ابو بکر کے بنا پر تھا، اس لئے کہ عمر نے کہا آپ کا ابو بکر نے نہیں بتایا، اس لئے میں بھی نہ بتاؤں گا۔ معلوم ہوا کہ خود حضرت عمر کو بھی ارشاد الہی روایت کا کوئی علم نہ تھا اگر خود سنے ہوتے تو ابو بکر کی تقلید کیوں کرتے۔

مذکورہ بالا روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی تعلق نہیں کہ سکتا کہ حضرت عباس بھی محرومی میراث کا یقین رکھتے تھے کیونکہ باوجود ابو بکر سے انھوں نے اپنی میراث مانگی۔ یا امیر المومنین کے متعلق یہ کہنا کہ انکو معلوم تھا کہ وہ میراث رسول کے مستحق نہیں ہیں پھر بھی جناب فاطمہ کو انھوں نے اجازت دی کہ وہ جائیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس کی وہ مستحق نہیں ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ جناب سیدہ اسی لئے اپنی میراث طلب کرنے نکلیں کہ انکے نزدیک آنحضرت نے عدم توریث کے لئے کوئی بات نہیں فرمائی تھی اسلئے کوئی تاویل اس طرح کی نہیں ہو سکتی جس کے معنی یہ ہوں کہ جناب سیدہ حضرت ابو بکر کو سچا سمجھتی تھیں، مگر ان کا مطالبہ یہ تھا کہ فدک کے منافع ان کو ملنا چاہئیں۔ اسلئے کہ حق نگرانی فدک کا ان کو ہے۔

حقا صدقتك وسلمت كله لك
ولاهلك قالت ان رسول
الله لم يعهد الي في ذلك بشيء
الا اني سمعته يقول لما نزلت
هذه الآية ابشروا آل محمد
فقد جاءكم الغنى قال ابو بكر
لم يبلغ علي من هذه الآية ان
اسلم اليكم هذا السهم كله كاملا
لكن لكم الغنى الذي يغنيكم
ويفضل عنكم وهذا عمر بن الخطاب
وابو عبيدة الجراح فاسأليهم
عن ذلك وانظري هل يوافقك
على ما طلبت احد منهم فانصرفت
الى عمر فقالت مثل ما قالت
لابي بكر فقال لها مثل ما قاله
لها ابو بكر فعجبت فاطمة من
ذلك وظنت انهما كانا

وہ مسلمانوں کے اوپر صرف کرونگا
انھوں نے فرمایا کہ یہ خدا کا حکم
نہیں ابو بکر نے کہا یہی حکم خدا ہے
البتہ اگر رسول اللہ نے آپ لوگوں
کے لئے کوئی عہد نامہ لکھا ہو تو
بیشک یہ حق آپ لوگوں کو پہونچانا
واجب ہے میں آپکی تصدیق کرونگا
اور کل آپ ہی کو دیدیا کروں گا
انھوں نے فرمایا نہیں کوئی عہد نامہ
تو نہیں لکھا مگر ہاں میں نے اُن کو
فرماتے ہوئے سُنا ہے جب یہ آیت
نازل ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ
اے آل محمد تمکو بشارت ہو کہ تمہارے
پاس غنا و ثروت آگئی، ابو بکر نے
کہا کہ اس آیت کے متعلق مجھے یہ
معلوم نہیں کہ اس سے کل مال خمس
آپ ہی لوگوں کو دیدینا چاہیئے

علینا من الغنائم فی القرآن
من سہم ذی القربی ثم قرأت
علیہ قولہ تعالیٰ واعلموا انما
غنمتم من شیء الخ فقال ابو بکر
بابی انت وامی و والدک
السمع والطاعۃ لکتاب اللہ
ولحق رسول اللہ وحق قرابتہ
وانا اقرء من کتاب اللہ الذی
تقرئین منہ ولم یبلغ علمی منہ
ان ھذا السہم من الخمس مسلم
الیکم قالت افلک ھو و
لاقربائک قال لا بل انفق علیکم
منہ واصرف الباقی فی مصالح
المسلمین قالت لیس ھذا حکم
اللہ قال ھذا حکم اللہ فان
کان رسول اللہ عہد الیک
فی ھذا عہداً اوجبہ لکم

اور غنائم کو جس میں قرآن مجید نے
صاحبان قرابت رسول کا حصہ
قرار دیا ہے روک لیا اسکے بعد
آپنے آیہ "واعلموا الخ" کی تلاوت
فرمائی ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ
آپ پر فدا ہو جائیں اور آپ کے
والد بزرگوار کے نثار بیشک قرآن
میں حق رسول و قرابت داران
رسول قرار دیا گیا ہے میں بھی بی بی
کتاب خدا پڑھتا ہوں جو آپ پڑھتی
ہیں لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ خمس کا
حصہ آپ لوگوں کو دیدیا گیا ہے
جناب سیدہ نے فرمایا کہ اگر ایسا
نہیں تو کیا تمہارا اور تمہارے
اقربا کا حصہ ہے ابوبکر نے کہا
جی نہیں بلکہ میں اسکو آپ لوگوں
صرف کروں گا اور جو باقی بچا

حالانکہ آیۂ مذکورہ نہایت تصریح سے یہ ہدایت کرتی ہے
کہ قرابتداروں کا حصہ اُن کی ملک ہے نہ کہ مسلمانوں کی جسطرح آیۂ
صدقات میں اس مطلب کی تصریح موجود ہے کہ "انما الصدقات
للفقراء والمساکین" صدقات یعنی زکوۃ فقراء اور مساکین کا
حق ہے۔

مسلم ہے کہ نص صریح کی موجودگی میں "اجتہاد کو کوئی ترجیح نہیں
دیجا سکتی" بلکہ رسول پر بھی نص قرار دی جائے گی، اس پر تمام علماء
کا اتفاق و اجماع ہے۔ اسی لئے جناب سیدہ نے حضرت ابوبکر
پر اعتراض کیا کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے، اور رسول اللہ نے آل محمد
کو ثروت کی بشارت دی ہے اگر آیۂ مذکورہ میں قرابتداران رسول کے
حصہ پر کوئی دلالت نہوتی اور یہ حکم نہوتا کہ مال خمس انہیں پر صرف
کیا جائے تو رسول اللہ یہ خبر ہی نہ دیتے کہ آل محمد تمہارے پاس ثروت
آئیگی۔ اس صورت میں ثروت ممکن ہی نہ تھی بشارت کس امر کی دیتے مگر
چونکہ انہیں معلوم تھا کہ خمس صاحبان قرابت رسول ہی کے لئے ہے اس لئے
انہیں بشارت دی کہ اب وہ دوسروں کے محتاج نہ رہینگے۔

(۳) حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا یہ خیال فرمانا
کہ یہ دونوں آدمی (ابوبکر و عمر) اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے کوئی حق نہیں

تذاکرانی ذلک واجتمعا علیہ۔

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۴ جزء ۱۶ چھاپ طہران صفحہ ۱۳۰

لیکن آپ لوگوں کو شدت یقیناً ہوگی اور آپ کی ضرورت سے زیادہ آپکو لگے گا۔ یہ عمر ابن خطاب اور ابوعبیدہ جراح موجود ہیں ان سے پوچھیئے

دیکھئے ان میں سے کوئی آپ کی موافقت کرتا ہے۔ حضرت سیدہ یہ سنکر حضرت عمر کے پاس گئیں انھوں نے بھی وہی کہا جو ابوبکر نے کہا تھا۔ جناب سیدہ کو تعجب ہوا اور انھوں نے خیال کر لیا کہ ان لوگوں نے پہلے سے سازش کر لی ہے اور دونوں متفق ہو گئے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہ زہرا اور تمام بنی ہاشم کو اس حق سے محروم کر دیا، جو قرابت داران رسول کے لئے قرآن مجید میں قرار دیا گیا ہے۔ نہ اسلئے کہ رسول اللہ کی جانب سے کوئی حکم ان کے پاس موجود تھا بلکہ محض اپنی رائے سے انھوں نے ایسا کیا اسلئے کہ انھوں نے خود فرمایا ہے کہ مجھکو اسکے متعلق رسول سے کوئی اطلاع حاصل نہیں ہوئی کہ خمس آپ لوگوں کو دیدوں، گویا ان کو یہ خیال تھا کہ آیہ مذکورہ میں اس مطلب کی کوئی ہدایت نہیں موجود ہے کہ خمس صاحبان قرابت کو بقدر انکے حصے کے دیا جائے۔

(تم جان لو کہ جو کچھ اموال غنیمت تمکو ہاتھ آئیں اُنکا پانچواں حصّہ خدا اور رسول اور صاحبان قرابت کے لئے ہے) قرابت داران رسول کا حصہ ساقط کر دیا۔

آیت مذکورہ کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے "ان کنتم امنتم باللہ" یعنی اگر تم لوگ ایماندار ہو تو پانچواں حصّہ مذکورین کو دینا لازمی ہے۔

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے "ان کنتم امنتم باللہ فاحکموا بھذہ القسمۃ" یعنی اگر تم ایمان والے ہو تو اسیطرح تقسیم کرو جس طرح قرآن میں مذکور ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اگر اس طرح تقسیم نہ ہوئی تو ایمان باسد حاصل نہیں ہوگا۔

بہر حال آیۂ مذکورہ صراحتہً دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ خمس میں قرابتداران رسول کا بھی حصّہ ہے، اور سب سے پہلے جس شخص نے اس سے انکار کیا وہ حضرت ابوبکر تھے انکے بعد حضرت عمر۔

جامع الاصول میں ابو داؤد اور نسائی کی روایت زید ابن ہرمز سے نقل کی ہے کہ۔

ان نجدة الحروری حین حج فی فتنۃ ابن الزبیر ارسل	نجدہ حروری نے جب ابن زبیر کی بغاوت کے زمانے میں حج کیا تو

حد یہ کہ جب یہ واقعات پیش آگئے اس وقت سے آپ نے حضرت ابوبکر سے بات چیت کرنا ترک کردی، اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے وصیت فرمادی کہ یہ لوگ میرے جنازہ پر آنے نہ پائیں نہ نماز جنازہ پڑھیں، علمائے اسلام نے جو روایتیں ان واقعات کے متعلق لکھی ہیں وہ ایک دو نہیں بلکہ حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں۔

علامہ ابن قتیبہ نے اس بارے میں ایک تفصیلی روایت تحریر فرمائی ہے جس کو بالفاظہ نقل کیا جاتا ہے۔

قال عمر لابی بکر انطلق	حضرت عمر نے ابوبکر سے کہا
بنا الی فاطمۃ فانا قد اغضبناھا	چلو فاطمہ کے یہاں چلیں ہم نے انکو
فانطلقا جمیعا فاستاذنا	ناراض کردیا ہے، پس دونوں
علی فاطمۃ فلم تاذن لھما فاتیا	آدمی وہاں گئے اور انکی اجازت
علیا فکلماہ فادخلھما علیھا	مانگی لیکن جناب فاطمہ نے منع کردیا
فلما قعدا عندھا حولت	تو دونوں آدمی حضرت علی کے یہاں
وجھھا الی الحائط فسلما علیھا	آئے ان سے گفتگو کی حضرت علی نے
فلم ترد علیھما السلام فتکلم	ان دونوں کے لئے آنے کی اجازت
ابوبکر فقال یا حبیبۃ رسول	دلوادی۔ جب یہ لوگ وہاں جاکے
اللہ واللہ ان قرابۃ رسول اللہ	بیٹھے تو جناب سیدہ نے اپنا رخ

فقد ارضانی ومن اسخط فاطمة
فقد اسخطنی قالا نعم سمعناه من
رسول الله قالت فانی اشهد
الله وملائکته انکما اسخطتمانی
وما ارضیتمانی ولئن لقیت
النبی لاشکونکما الیه فقال ابو بکر
انا عائذ بالله من سخطه و
سخطک یا فاطمة ثم انتحب
ابو بکر یبکی حتی کادت نفسه
ان تزهق وهی تقول لادعون
الله علیک فی کل صلوة صلیها
ثم خرج باکیا فاجتمع الیه الناس
فقال لهم یبیت کل رجل منکم
معانقا حلیلته مسرورا باهله
وترکتمونی وما انا فیه لا حاجة
[illegible] اقیلونی بیعتی
کتاب السیاسة والامامة جلد اول مصر ص ۱۴

کچھ چھوڑتے ہیں وہ عامہ مسلمین کا
حق ہے، حضرت سیدہ نے فرمایا
کہ تم سے اگر میں کوئی حدیث رسول
بیان کروں تو اسکو مانوگے؟ دونوں
نے کہا ہاں فرمایا کہ تمہیں خدا کی قسم
دے کے پوچھتی ہوں کہ تم لوگوں نے
کیا رسول اللہ کو یہ فرماتے نہیں سنا
کہ فاطمہ کی خوشی میری خوشی ہے اور
اُنکی ناراضی میری ناراضی ہے،
جس نے میری بیٹی فاطمہ کو دوست
رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا اور
جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے
مجھکو ناراض کیا، دونوں حضرات نے
کہا ہاں بیشک سنا ہے، جناب سیدہ نے
فرمایا میں خدا اور ملائکہ کو گواہ کر کے
کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے
ناراض کیا اگر میں رسول اللہ سے

احب الیّ من قرابتی وانك
لاحب الیّ من عائشۃ ابنتی
ولوددت یوم مات ابوك انی
مت ولا ابقی بعدہ افتری
اعرفك واعرف فضلك
وشرفك وامنعك حقك
ومیراثك من رسول اللہ
الا انی سمعت اباك رسول اللہ
یقول لا نورث ما ترکناہ
صدقۃ فقالت ارایتکما ان
حدثتکما حدیثا عن رسول اللہ
تعرفانہ وتعقلانہ قالا نعم
فقالت نشدتکما اللہ الم
تسمعا رسول اللہ یقول رضا
فاطمۃ من رضای وسخط فاطمۃ
من سخطی فمن احب ابنتی فقد
احبنی ومن ارضی فاطمۃ

پیغمبر کے نزدیک کی قرابت کر لیا ان
دونوں صاحبان نے سلام کیا تو
سلام کا جواب نہیں پایا تب
ابو بکر نے گفتگو شروع کی اے بیبی
رسول قسم ہے خدا کی رسول اللہ کی
قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ عزیز
ہے آپ مجھکو اپنی بیٹی عائشہ سے زیادہ
عزیز ہیں جس دن آپکے پدر بزرگوار
نے انتقال فرمایا ہے چاہتا میں
چاہتا تھا کہ مجھے بھی موت آجاتی
اور میں انکے بعد باقی نہ رہتا آپ
خیال کرتی ہیں کہ آپ کے مرتبہ اور
فضل و شرف کو جانتے ہوئے بھی
میں آپکا حق اور میراث رسول کو
روک لیتا ہوں بات یہ ہے کہ میں نے
رسول سے سنا ہے وہ فرماتے تھے
کہ ہم وارث نہیں بناتے اور جو

فی الصحیح غضبت فاطمۃ	جناب فاطمہ رنجیدہ ہوئیں اور
فہجرت ابابکر فلم تزل مھاجرۃ	ابوبکر سے بات کرنا چھوڑ دیا چنانچہ
حتی توفیت وعاشت بعد	جب تک وفات ہوئی اُن سے
رسول اللہ ستۃ اشھر	بات نہیں کی اور وہ رسول کے بعد
(دفا را لوفا صفحہ ۱)	صرف چھ مہینے زندہ رہی تھیں ۔

اسی طرح کی روایتیں جامع الاصول مسند ابوداؤد میں بھی ہیں ۔ ایک روایت ہم سابق میں بھی ایسی ہی درج کر چکے ہیں جس میں جناب سیدہ کا حضرت ابوبکر سے رنج و غصہ اور اس پر تا وفات باقی رہنا یہ سب درج ہے ۔

برادران اسلام ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابوبکر کا وہ فقرہ قیلونی مجھے معاف کرو، کوئی معنی رکھتا ہے یا نہیں ایک جانب سیاست وقت کا تقاضا ہے کہ فدک اور تمام حقوق فاطمہ کو روک لیا جائے اور اسکے خلاف کرنا حضرت عمر کے منشا کے خلاف ہے ۔ دوسری جانب جناب فاطمہ کا راضی کرنا بھی ناممکن حضرت ابوبکر ان کی ناراضی اور غضب کے باعث قرار پاتے ہیں ، اس صورت میں یہ تقاضائے فطرت تھا جو حضرت ابوبکر کی زبان سے بیساختہ نکل گیا تاکہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ باوجود انتہائی کوشش کے وہ جناب سیدہ کو راضی کرنے پر قادر

خدا کا معین کردہ ہے بیعت امت سے استعفار دینا ایسا ہی ہوتا ہے
کوئی نبی اپنی نبوت سے مستعفی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
ابوبکر خدا کی جانب سے عہدہ خلافت پر فائز نہ تھے۔ ورنہ اسکے کیا معنی
معنی ہیں کہ وہ بیعت ہاتھ اٹھائے لیتے تھے۔

دوسرے یہ کہ اگر حدیث "لا نورث" پر اجنبی ایسا ہی یقین تھا
جیسا کہ جناب سیدہ کے سامنے انھوں نے ظاہر کیا تو وہاں سے ہو کر
ناراضی سیدہ پر نالہ فریاد کیسی اور اس پہ گھبرا کے خلافت سے دست برداری
کیسی" اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث بھی خود ساختہ تھی۔
خدا کی جانب سے جو منصوب کردہ ہوگا وہ بھی اس طرح کے حرکات
نہیں کر سکتا جن میں متضاد باتیں جمع ہو جائیں۔

جناب سیدہ کے ساتھ ان لوگوں نے جو برتاؤ کیا اس پر بار بار
حضرت ابوبکر ندامت کا اظہار فرماتے رہے۔ چنانچہ جس وقت مرنے
لگے تو اس وقت بھی اپنی زبان سے ایک بات کہی تھی "وددت
انی لم اکشف بیت فاطمۃ" کاش فاطمہ کے گھر میں میں
داخل نہ ہوتا۔ کنز العمال جلد ۳ باب الامارۃ و خلافۃ الصدیق
ص ۱۳۵ مطبوعہ حیدر آباد۔

خدا کی طرف سے جو والی و حاکم مقرر ہوتا ہے اسکے اختیارات

نہ ہوسکے۔ انہوں نے نہایت تصریح سے بتا دیا کہ تمہاری بیعت میرے
کام نہیں آئے گی۔ جناب سیدہ کی ناراضگی اسوقت رفع ہو سکتی ہے جب
فدک وغیرہ پر سے قبضہ اٹھا لیا جائے لیکن خلیفہ وقت کے کہنے سے بھی
خود غرض اشخاص نے واپسی حقوق فاطمہ کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔
نہیں کیا نہ ہی جناب سیدہ اب دنیا میں نہیں مگر ان کے ساتھ جو ستم
کئے گئے وہ تاریخ کے اوراق پر تا قیامت حق و باطل کا فیصلہ کرتے رہیں گے

ان واقعات کو میں نے جس ترتیب سے ذکر کیا ہے اگر ایک بصیر انسان اس پر
غور کرے گا تو اسکے سامنے یہ نتیجہ صاف طور پر نکل آئیگا کہ حقوق سیدہ کے
واقعات محض غصب کے حدود تک محدود نہیں بلکہ اسی سلسلہ میں نکات پیدا
ہو گئے ہیں۔

کیا حضرت ابوبکر کا عاجز ہو کر یہ کہنا کہ "مجھے معاف کرو" یہ نہیں
بتاتا کہ جناب سیدہ کے ناراض ہو جانے سے وہ بڑی دقت میں پڑ گئے
تھے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا جانشین رسول
ہوتا جو منصوص من اللہ اور خدا و رسول کا معین کردہ ہوتا اور اسکے
بعد ان اعمال پر تنبہ کرتا تو اسے اسکا خوف ہرگز نہ ہوتا کہ جناب سیدہ
ناراض ہو گئی ہیں تو میری بخشش کا ٹھکانا نہیں کیا جناب رسالتمآب
بھی ناراض ہوں گے اور خدا بھی۔ ایسی حالت میں کہ وہ حقیقتہ

جس طرح جناب رسالتمآب نے زینب کیساتھ کیا تھا، جب انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ میں نے اپنے شوہر ابو العاص کا فدیہ دیا ہے وہ واپس کر دو۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابو العاص بدر کی لڑائی میں جب گرفتار ہوا (در حضرت نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو، اور اس نے جو فدیہ بھیجا ہے وہ بھی واپس کر دو، تو مسلمانوں نے ایسا ہی کیا، اور کہا کہ ہم جان و مال سب آپ پر فدا کرنے کے لئے تیار ہیں یہ کیا چیز ہے، فدیہ بھی واپس کر دیا گیا اور ابو العاص بغیر فدیہ لئے چھوڑ بھی دیا گیا، یہ کیوں ایسا کیا گیا محض اس لئے کہ حضرت رسول اکرم کیساتھ زینب کے رشتہ کا احترام منظور تھا، پھر اگر حضرت فاطمہ ایسی رسول کی بیٹی کے لئے حضرت ابو بکر یہی طرز عمل اختیار کرتے تو کیا بیجا تھا۔

ابن ابی الحدید نے بدر کی لڑائی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں نے اس خبر کو ابو جعفر یحییٰ ابن ابو زید بصری علوی سے بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ ابو بکر و عمر نے حضرت سیدہ کیساتھ یہ بھی نہیں کیا، کاش یہی کیا ہوتا کہ از راہ تکرم و احسان جناب سیدہ کو خوش رکھنے کیلئے فدک دیدیا ہوتا، اور مسلمانوں سے معاف کرا لیتے، کیا جناب

[illegible] سے خبریت [illegible] میں ان کو ایسے [illegible] دست بردار [illegible]
پڑتی [illegible] نہیں ہونا چاہیے تھا [illegible] کی [illegible] کیوں نہیں [illegible]
اور [illegible] خلافت سے معافی چاہنے کی ضرورت تھی۔ وہ حقیقت کر
دو [illegible] کے لئے واجب الاطاعت تھے تو وہ [illegible] وارث
جناب سیدہ کو دے سکتے تھے۔ آخر انہوں نے رسول اللہ کے ترکہ میں سے
جو چیزیں منقول تھیں وہ تو حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے پاس رہنے دیں
اور غیر منقولہ اشیاء جیسے فدک وغیرہ کیوں نہیں دے سکتے تھے۔ تلوار
عصا، لباس، خنجر وغیرہ تمام چیزیں حضرت علیؓ کے پاس رہیں۔ ازواج
کے حجرے انہیں عورتوں کے ہاتھ میں رہے۔ کیا ان تمام چیزوں کے لئے
رسول اللہ کا کوئی حکم موجود تھا۔ اگر تھا تو وہ کیا تھا جس میں فدک
وغیرہ شامل نہ تھا اور یہ سب چیزیں شامل تھیں۔

یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حضرت ابوبکر فدک وغیرہ از راہِ اکرام و احترام
جناب سیدہ کے حوالے کر دیتے۔ [illegible] سے بہتر تھا
کہ انہیں کو دے دیتے تاکہ انکی ناراضی سے محفوظ رہتے۔

قاضی قضاۃ نے کہا ہے بے شک حضرت ابوبکر کو چاہیے تھا کہ
اگر ازروئے شریعت دیانت نہیں تو ازروئے اکرام و احترام انکے
مطالبات منظور کر لیتے۔ وہ اگر چاہتے تو یوں بھی دے سکتے تھے

انھا بضعۃ منی یریبنی ما رابھا و یوذینی ما اذاھا

فاطمہ میری پارۂ جگر ہے جو اس کو رنجیدہ کریگا وہ مجھے رنجیدہ کرے گا اور جو اسے اذیت دیگا وہ مجھ کو اذیت دیگا۔

ان تمام مسلمات احادیث کی روشنی میں اس خیال کو دیکھا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا غصہ و رنج کسی دینی امر کے لئے نہیں تھا، بلکہ معمولی طرح کا غصہ و رنج لوگوں کو اس وقت ہو جایا کرتا ہے جب انکی خواہشوں کی رعایت نہ کیجائے حقیقۃً حضرت فاطمہ کو غضب تھا بلکہ فدک نہ ملنے کے نہ ملنے سے ایک طرح کی کبیدگی خاطر پیدا ہو گئی تھی جو طبعاً ہونا چاہئے یہ تھا وہ شبہہ جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے فرض دینی ادا کیا فرض اخلاق و اکرام نہیں ادا کیا۔ لیکن آپ غور تو کیجئے کہ سیدۃ نساء عالمین جن کے طہارت نفس جلالت مرتبہ پر آیہ تطہیر اور سورہ ہل اتی نازل ہو چکا ہے انکی طرف سے ایسی بات کے اس طرح کا غصہ و رنج کیونکر ممکن ہے جب کہ عام مومنین بھی اس طرح غصہ کرتے ہوں اور وہ ہرگز اس طرح کی خواہش نہیں کر سکتیں کہ حاکم بغیر حکم خدا و رسول انکے حق میں فیصلہ کر دے

حضرت ابوبکر نے جو کچھ کیا اگر وہ حق تھا اگرچہ ظاہری طور سے سہی تو ہرگز کسی مسلمان کو حق نہ تھا کہ اس پر ایک قیامت خیز رنج کرے

پھر جناب سیدہ سے جو بقدر جلیل المرتبت بی بی تھیں کیونکر ممکن تھا کہ ایسی معمولی سی بات پہ اتنا رنج کرتیں کہ قسمیں کھائیں کہ رسول اللہ سے تمہاری شکایت ضرور کروں گی اور تمہارے لئے بددعا بھی کروں گی

وغیرہ

آپکا غصہ کسی معمولی کبیدگی خاطر پر مبنی نہ تھا بلکہ انہوں نے اپنا حق طلب کیا اور ان کو ہر جانب سے مایوسانہ واپس آنا پڑا۔ اور کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ انکے دعوے کی تصدیق کرے تو حضرت ابوبکر پر آپکو غصہ آیا کہ کہیں طرح طرح کے حیلے تلاش کر کے ان کی تکذیب کیجا رہی ہے یہ غصہ ایک امر دینی پر تھا اگر ایسا نہ تھا اور معمولی کبیدگی خاطر تھی تو وقت اسکو زائل ہو جانا چاہئے تھا جب حضرت ابوبکر و عمر راضی کرنے کیلئے گئے تھے۔ مگر درحقیقت سیدہ عالم کے نزدیک یہ وہ غصہ دینی تھا جس سے وہ بھی راضی نہیں ہو سکتی تھیں، چنانچہ اس غصہ کا سلسلہ آپ کی وفات تک باقی رہا تا آنکہ آپ نے اپنے جنازہ پر نماز پڑھنے سے بھی حضرت ابوبکر و عمر کو روک دیا۔

دوسرے یہ کہ جناب رسالتمآب کا ارشاد تو ایک عام ارشاد ہے اس میں امر دینی اور دنیوی کی کوئی قید نہیں۔ جو چیز فاطمہ کو اذیت دیتی ہے مجھے بھی اس سے اذیت ہوتی ہے" ان اللہ یغضب

اُن کو تکلیف دینے سے مجھے اذیت ہوگی اور اُن کی ناخوشی میری ناخوشی کا باعث ہوگی۔ لہذا یہ کہنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا کہ جو کچھ کیا گیا وہ نہ جائز تھا البتہ اکرام و احترام سیدہ کے خلاف تھا۔

ایذائے جناب فاطمہؑ کے مذکورہ بالا احادیث کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا موقع ایک مرتبہ حضرت علی ابن ابیطالب کے لئے بھی پیش آیا جب کہ آپ نے رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ابوجہل کی لڑکی کے ساتھ عقد فرمانا چاہا، اور یہ امر جناب سیدہ کو ناگوار گذرا، رسالتماب کو اسکی خبر پہونچی آپ نے فرمایا کہ فاطمہؑ کی ناراضی میری ناراضی ہے اگر اس حدیث سے حضرت ابوبکر پر کوئی الزام آتا ہو تو حضرت علی بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔

اس کا جواب صاف ہے شیعوں کے مقابلہ میں وہی حدیث استدلال میں پیش کی جاسکتی ہے جسے شیعہ محدثین نے تسلیم کیا ہو اور اس دختر ابوجہل والی روایت کا کوئی ذکر ہماری کتابوں میں نہیں ہے اسکے علاوہ بر فرض تسلیم روایت جناب امیر علیہ السلام نے جس امر کا ارادہ فرمایا تھا وہ بجائے خود جائز و مباح تھا اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا، لیکن جب جناب سیدہ کی ناراضی ظاہر ہوئی اور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ناراضی کو اپنی ناراضی کا

"لغضب فاطمة ويرضى لرضاها" خدا فاطمہ کے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور اُن کی خوشی سے خوش ہوتا ہے۔

ان الفاظ میں کہیں کسی قید کی تخصیص نہیں ہے۔ ہر اذیت و تکلیف جو جناب سیدہ کو ہوتی ہے اس سے حضرت کو بھی اذیت پہونچتی ہے۔ اگر کسی طرح کو بھی جناب سیدہ کا حق حکم عام سے نکل جائے تو سیدہ اور دیگر مومنین میں فرق ہی کیا رہتا ہے۔ جناب سیدہ کو گویا خصوصیات دوسروں پر حاصل ہو سکتی ہیں جو جناب رسالتمآب نے خصوصاً احادیث کے ذریعہ سے انہی کے بجا لانے کا حکم دیا۔ اسلئے کہ ہر مومن کے ناراض ہونے سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ مگر اس طرح کے خصوصی ارشادات رسول اس بات کی دلیل ہیں کہ جناب سیدہ کی ہر طرح کی ناخوشی اور اذیت رسانی جناب رسالتمآب کیلئے الم انگیز و اذیت رسان ہے۔

معلوم ہے کہ رسالتمآب ناحق پر ناراض نہیں ہو سکتے۔ جب وہ ناراض ہونگے تو اس پر خدا بھی ناراض ہوگا اور یہ موجب عتاب و عذاب جناب باری ہے۔ اگر جناب سیدہ کی جانب سے رسول اللہ کو یقین نہ ہوتا کہ وہ ناحق ناراض نہیں ہو سکتیں تو حضرت نے مطلقاً اُن کی ناراضی کو اپنی ناراضی نہ قرار دیا ہوتا۔ وہاں تو عام حکم ہوتا کہ

فہرست کتب امامیہ مشن بک ڈپو

(۱) حسین دی مارٹر (انگریزی)

یہ رسالہ صوبہ بہار کی شیعہ کانفرنس کی طرف سے شائع ہوا تھا جسکی کچھ کاپیاں امامیہ مشن کو منجانب کانفرنس عطا فرما دی گئیں، بہت تھوڑی سی کاپیاں باقی رہ گئی ہیں۔ جس میں واقعہ کربلا پر حسب ذیل ہندوستان اور یورپ کے مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین ہیں۔

(۱) لارڈ ہیڈلے (۲) آنریبل ڈاکٹر سر سلیمان چیف جسٹس الہ آباد ہائیکورٹ (۳) مسٹر ایف۔ جے گولڈ لنڈن (۴) مسٹر لی، ہیٹر زیگوسلوویکیا (۵) دیوان بہادر ہرلاس سارڈا (۶) ... مسٹر عبد القیوم ملک اکس ایڈیٹر دی مسلم اسٹینڈرڈ لنڈن" (۸) مسٹر برمنی ماجمدار ایم اے پروفیسر سٹری اکانومی بی ۔ این کالج پٹنہ (۹) بیگم صاحبہ شاہ نواز وغیرہ وغیرہ۔ قابل دید و یادگار مجموعہ مضامین ہے، بڑا سائز کاغذ سفید اعلیٰ قیمت ۱۲؍ محصول ۲؍

"الشہید" اردو

یہ رسالہ بھی بہار کانفرنس کیطرف سے شائع ہوا تھا جس کی چند کاپیاں امامیہ مشن کو عطا کی گئی ہیں۔ اس رسالہ میں اردو مضامین جمع کئے گئے ہیں جنمیں سے اکثر مضامین اہل ہنود و اہل سخن حضرات کے تحریر کردہ ہیں قیمت ۱۰؍

تب یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا خیال ترک کردیا، اس کے بعد ہرگز آپ اس حدیث کی زد میں نہیں آسکتے،

مگر حضرت ابوبکر نے تو حدیث کے وارد ہونے کے برسہا برس بعد ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے سیدہ عالم ناراض ہوئیں اور انھوں نے ناراضی کے ظاہر ہونے کے باوجود اس پر اصرار کیا اور آخر وقت تک اس پر قائم رہے اس لئے حدیث مذکور کے الزام سے آپ کا دامن کسی طرح علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ والسلام

وجیہ الحسن باردی

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ
(لکھنؤ)

جمع فرمایا ہے کہ ان کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی، بڑا سائز کاغذ قسم اعلیٰ قیمت عہ محصول ۲

وجیزۃ الاحکام مومنین کے اصرار پر جناب سرکار سید العلما مدظلہ کے فتاوے اور بعض ضروری روزمرّہ کے مسائل فقہ کے متعلق جناب ممدوح کا عملیہ ایک مختصر رسالہ کے شکل میں استفادہ مومنین کے لئے شائع کیا گیا ہے، انشاءاللہ آیندہ ایک مبسوط کتاب جو تمام ابواب فقہ کی جامع ہوگی شائع کی جائے گی قیمت ۴ر صفحات ۱۱۹ محصول ۱ر

صحیفۂ رحمت اللہ مجموعہ قصائد مدح آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام مصنفہ جناب نجم رودولوی نظم کے شائقین کے دیکھنے کی کتاب ہے۔ طباعت، کاغذ، کتابت اعلیٰ درجہ کی، ٹائٹل پر رنگین مرقع تحفہ اشرف قیمت ایک روپیہ (عہ) محصول ۱ر

رسولؐ کی بیٹی اور رسالۂ گل عصمت — قیمت ۲ر محصول ۸ر / قیمت ۱ر „ ۸ر — ان ہر دو رسائل میں جناب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے حالات زندگی نہایت سلیس زبان میں تحریر کئے گئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ ان کو کمسن بچوں کو پڑھانا بیحد ضروری ہے تاکہ شروع ہی سے ان کے دلوں میں اس پاکیزہ زندگی کا نقش ابھر آئے۔

رجال بخاری حصہ دوم حصہ اول منجانب مشن طبع ہوا تھا جو بجد

(۲) تاریخ ازدواج

رسالہ ہذا میں مصنف نے طرق ازدواج کی تاریخ تحریر فرمائی ہے، دنیا میں کن کن قوموں میں کس کس زمانہ میں کون کون طریقے ازدواج کے جاری رہے اور اسوقت مختلف اقوام میں کون کون طریقے ازدواج کے رائج ہیں۔ نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز معلومات تاریخی سے یہ کتاب بھری ہوئی ہے۔ مصنفہ جناب مرزا عابد حسین صاحب قزلباش الہ آبادی
قیمت آٹھ آنہ ۸ محصول ڈاک ۱ر

امامیہ مشن کی عظیم الشان خدمات کا اعتراف

اور افراد قوم کو توجہ کی ضرورت

"امامیہ مشن" لکھنؤ چار سال سے مذہبی نشر و اشاعت میں مشغول ہے، یہ واقعہ ہے کہ اُسنے چار سال کے عرصہ میں جسقدر خدمات انجام دئے ہیں وہ انتہائی گرانقدر اور وقیع ہیں اسکے اسوقت ۱۴۱ رسالے مختلف اہم موضوعات پر شائع ہو چکے جنکے مفید اور بیش قیمت ہونے کا احساس ہر طبقے کے افراد نے کرلیا ہے ان رسالوں کی مجموعی تعداد اشاعت ستر ہزار سے اوپر پہونچی ہے اسکے متعدد رسالوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور محرم میں ہندی اور انگریزی زبان میں بھی رسالے شائع کئے ہیں [illegible] ہر سال روز عاشورہ تالکٹورہ کی کربلا میں غیر مذاہب میں مفت تقسیم کئے گئے، اسکے ان خدمات کے [illegible] ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اسکی

پسند کیا گیا، اس رسالہ کا حصہ دوم جناب مصنف نے اپنے اہتمام سے طبع کرا کے
شوق کے ہاتھ پومیں کچھ کتابیں برائے فروخت بھیجدی ہیں یہ رسالہ قابل دید اور
نہایت بکار آمد طبع ہو رہا ہے ہر شیعہ کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے
خصوصاً مناظرین کے لئے تو ناگزیر ہے۔ قیمت ۳ محصول ڈاک

دو قابل دید کتابیں

۱۔ ڈٹرمنزم اینڈ فری ول آف ملا محمود (زبان انگریزی) (رسالہ
جبر و اختیار) مؤلفہ عالیجناب علی مہدی خاں صاحب ایم اے ڈی لٹ اسکالر سابق
لکچرار شعبہ فلسفہ الہ آباد یونیورسٹی یہ کتاب مسئلہ جبر و اختیار پر علمی اور فلسفیانہ معلومات کا ایک
خزانہ ہے اس مسئلہ پر تمام فرق اسلامی کے اعتقادات سے بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے
کہ اعتقاد "امر بین الامرین" جو فرقہ امامیہ کا مسلک ہے صحیح ہے۔
حصہ اول میں اصل رسالہ زبان فارسی غیر مطبوعہ تصنیف ملا محمود مصنف شمس بازغہ
دوسرے حصہ میں انگریزی ترجمہ و تبصرہ و ترتیب اصل کتاب جس کے بعد
مصنف نے حکمت کی علمی ترقی کی تاریخ دیکر مسئلہ جبر و اختیار پر ایک فیصلہ کن بحث
کی ہے۔ فلسفیانہ و مشکل مسائل سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے ایک بیش قیمت
کتاب ہے، کاغذ قسم اعلیٰ چالیس پونڈ ۲۲×۱۸/۸ انگریزی قسم کے کپڑے کی جلد اصل
قیمت سے نصف سے خریدنے والے حضرات کے لئے ۸/ علاوہ محصول

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرماکر

ناصرین اہلبیت علیہم السلام کی فہرست میں اپنا نام نامی درج کرا لیجئے

چندہ لائف ممبری	کم از کم پچاس روپیہ یکمشت
چندہ ممبران خصوصی	” ” پانچ روپیہ سالانہ
چندہ ممبران عمومی	” ” ایک روپیہ سالانہ

(نوٹ)

لائف ممبران کی خدمت میں سابقہ اور آیندہ کے تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں۔

ممبران خصوصی کی خدمت میں ممبر بننے کے بعد تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے رہتے ہیں اور اگر سابق کے رسائل خریدنا چاہیں تو صرف نصف قیمت چارج کی جاتی ہے۔

ممبران عمومی کو ممبر بننے کے بعد شائع ہونے والے رسائل (بشرطیکہ وہ طلب فرمائیں) نصف قیمت پر دئے جاتے ہیں اور سابق کے رسائل اگر خریدنا چاہیں تو پوری قیمت چارج کی جاتی ہے۔

(خادم مذہب)

آنریری سکریٹری۔ امامیہ مشن لکھنؤ

بنیادوں کو مستحکم کیا جائے۔ اسکے لئے امامیہ مشن مستقل فنڈ کی اسکیم جاری کی گئی ہے جسمیں چار چار آنے کے پانچ ٹکٹ ہمدردان کو فروخت کئے جائینگے تجویز ہوئی ہے۔ ہم لوگ امامیہ مشن کی خدمات کے دل سے معترف ہوتے ہوئے اسکی اس اہم اقدام کی پورے طور سے ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تمام افراد قوم کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس اہم دعوت پر لبیک کہیں۔ مشن کے ٹکٹ خود خرید فرمائیں اور دوسرے لوگوں کو خریداری پر آمادہ فرمائیں۔ اس اہم مذہبی اعانت پر علاوہ اسکے کہ وہ ہر شخص کا عند اللہ ماجور ہے بخصوصیت کیساتھ ہم لوگ شکرگذار ہوں گے۔ والسلام

(شمس العلماء مولانا) سید ابن حسن عفی عنہ (عمدۃ العلماء مولانا) سید کلب حسین عفی عنہ (مولانا) محمد صادق عفی عنہ (نبیرہ سرکار نجم الملۃ دام ظلہ) (نواب) سید علی خان (آنریری مجسٹریٹ شیش محل) (مرزا بہادر) مرزا محمد جعفر عفی عنہ (حکیم) شیخ آغا فاضل (ڈاکٹر) مرزا باقر ایم بی بی ایس (پروفیسر) نقی حسین ایم اے ایل ایل بی ایل ٹی سی (خواجہ) اسد اللہ مدیر اخبار اسد (سید) اعظم حسین مدیر اخبار سرفراز۔